معراج اور سائنس

آغا اشرف

چھوٹے ناقابلِ تقسیم ذروں یعنی ایٹموں سے بنی ہے۔ دمقراط کے خیال میں ہر ایٹم کا ایک سائز ہے لیکن وہ اتنا کم ہے کہ ایٹم آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ اس کا خیال تھا کہ انسان اور دوسرے جانداروں کی روح بھی ایٹموں کی بنی ہوتی ہے اور روح کے ایٹم باقی تمام اشیاء کے ایٹموں سے چھوٹے اور ہلکے ہوتے ہیں۔ کائنات میں صرف ایٹم ہی ایٹم ہیں۔ ایٹم کے ارد گرد جو جگہ رہ جاتی ہے، وہاں کوئی شے نہیں ہے۔ اس لیے وہ ایک مکمل خلاء ہے۔ اسی خلاء میں ایٹم گھومتے پھرتے ہیں دمقراط کے یہ خیالات جدید تحقیقات سے اتنے قریب ہیں کہ ان سے اس کی عظیم قوتِ فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

عقلِ انسانی نے علم و معراجِ فن کی کچھ اور ارتقائی منزلیں طے کیں تو کچھ اور سائنس دان، فلسفی اور مفکر سامنے آتے تو انہوں نے اپنے سے پہلے کے سائنس دانوں، فلسفیوں اور مفکروں کے نظریوں کو غلط ثابت کر کے رکھ دیا۔ کوپرنیکس نے سب سے پہلے بطلیموس کے نظریے کو غلط ثابت کیا۔ اس نے بتایا کہ زمین متحرک ہونی چاہیے کیونکہ صرف اسی طرح تمام ستاروں کے بدلتے ہوئے مقامات سال کے مختلف موسم، اور دن رات کی تبدیلیاں ایک ساتھ واقع ہو سکتی ہیں۔ اُس نے ثابت کیا کہ زمین بھی ایک سیارہ ہے تمام سیارے سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں جو مرکز ہے۔

گلیلیو بھی اپنے وقت کا ایک نامور سائنس دان تھا۔ اُس نے دوربین ایجاد کی۔ جس سے دیکھنے پر ہر شے ایک ہزار گنا بڑی نظر آتی تھی۔ اور تیس گنا نزدیک تر معلوم ہوتی تھی۔ اپنی ٹیلسکوپ سے اس نے آسمان کا مطالعہ کیا تو عجیب چیزیں جگمگ کرتی نظر آئیں۔ اس نے دیکھا کہ کہکشاں بہت سے ستاروں سے مل کر بنتی ہے۔ مشتری ستارے کے گرد گھومتے ہوئے چاند اسی سائنس دان نے دریافت کیے تھے۔ عام لوگوں کو تو گلیلیو نے آسمان کی دستیں دکھائی تھیں۔ لاکھوں ستاروں کا نظارہ کرایا تھا۔ سورج پر دھبے اور چاند پر پہاڑ دکھاتے تھے لیکن سائنس دانوں کے لیے اس کی دریافتیں کہیں زیادہ

Marfat.com

پر معنی اور قابل قدر تھیں۔

گلیلیو کی موت کے تیس سال بعد تک سائنس دان یہ کوشش کرتے رہے کہ کس کے معلوم کردہ قوانین حرکت کی رو سے سیاروں کی گردش کا سبب سمجھیں۔ انہیں اس بات پر تو اتفاق تھا کہ ایک متحرک سیارہ کیوں بدستور متحرک رہتا ہے۔ لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ سیارے سورج کے گرد خط مستقیم کے بجائے دائرے میں کیوں چکر لگاتے ہیں۔ آئزک نیوٹن اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہماری ناواقفیت کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس مقصد کے لیے ریاضی کا مناسب قاعدہ نہیں جانتے اور یہی چیز آخر علم الاحصا ((CALCULUS)) کی ایجاد کا باعث ہوئی۔

نیوٹن نے جب کشش ثقل کے یہ اصول مرتب کیے تو انہیں آزمایا۔ اپنے تجربوں کو کتاب "پرنسی پیا" ((PRINCIPIA)) میں بیان کیا۔ نیوٹن نے روشنی پر بھی تجربات کیے۔ اس نے بتایا کہ سورج کی روشنی منشور کے سات رنگوں کا مجموعہ ہے۔ نیوٹن نے ایک نئی قسم کی دوربین ایجاد کی جو العکاسی دوربین کہلاتی ہے۔ وہ بھی اک عظیم سائنس دان تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے کائناتی اسرار کے بارے میں اس نے کہا کہ میری مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے سیپیوں سے کھیل رہا ہو۔

فلسفہ اور سائنس کے معنی ہیں کسی شے کی حقیقت کو جاننا۔ اس کو دریافت کرنا۔ سائنس دان اور فلسفی وہ ہے جو کسی شے کے ظاہری مطالعے سے زیادہ اس کی اصل اور حقیقت کا پتہ چلاتا ہے۔ یہ نظریات علم عقل و فکر کی استطاعت کے مطابق ہوتے ہیں۔ ایک نظریہ دوسرے نظریہ سے میل نہیں رکھتا اسلیے فلسفہ کوئی باقاعدہ یا سائنٹیفک علم نہیں۔ یہ نظریات زیادہ تر قیاس آرائیوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ جب علم کامل ہو جاتا ہے تو نظریات خود بخود بدل جاتے ہیں اور تجسس و تلاش کرنے والا حقیقت کو پا لیتا ہے۔ یہی علم کی معراج ہے۔

Marfat.com

آیئے اب ہم ان تحقیقات کا مختصر سا جائزہ لیں جو مسلمان فلسفیوں اور سائنس دانوں نے ...م کی معراج کی خاطر کیں۔ جابر بن حیان کو بانی کیمیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُس نے کیمیا ...مختلف ایجادات کیں۔ سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ بائیس کتابیں اب بھی موجود ہیں جن میں اسرار الکیمیا" اور المیزان بہت مشہور ہیں۔ الخوارزمی نے علم فلکیات اور علم ریاضی پر گہری تحقیقات کیں۔ اس کی کتاب "صورت الارض"، اسٹاربرگ کے کتب خانہ میں اب بھی موجود ہے۔ اس نے اس زمانہ میں جب کہ ساری دنیا زمین کو چپٹی سمجھتی تھی۔ گول قرار دیا۔ ...اس کا محیط و قطر نکالا۔ اس کی فلکیات پر تحقیق سے بعد میں کوپرنکس اور کیپلر بھی متاثر ہوتے۔ ...طبری کی تصنیف "فردوس الحکمت" سے رازی اور ابن سینا نے فائدہ اٹھایا۔ اس کی یہ تصنیف ...ب یونانی کے انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب میں اُس نے طبی مباحث کے ...ادہ فلسفہ علم تفسیر المواسم، علم الحیوانات، علم توحید، نفسیات اور فلکیات کا احاطہ کیا ہے ...نے اپنی مذکورہ کتاب کی تدوین و ترتیب میں بقراط، ارسطو، جالینوس اور یوحنا بن موسویہ ...کتب سے استفادہ کیا۔

طرسوسی آغاز اسلام میں یحییٰ نحوی کے بعد گزرا ہے۔ لوگ اسے الہلال بھی کہتے تھے ...تصنیف و مطالعے میں اس قدر محو رہتا تھا کہ باہر تک نکلنے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ اس خلوت ...نشینی کی وجہ سے ہلال کہلانے لگا۔ یہ اپنے وقت کا عظیم طبیب تھا۔ جڑی بوٹیوں کے ...بھی کے علم کا ماہر تھا۔

الجذاب علم الفلکیات کا ماہر تھا۔ سائنس کی ایک اہم شاخ ہیئت یعنی اسٹرانومی ہے ...جرام فلکی مثلاً سورج چاند ستاروں سے متعلق ہے۔ جذاب کا سب سے بڑا کارنامہ ...ت ترقی یافتہ اضطراب کی ایجاد ہے۔ جذاب نے اس کے چکر پر بہتر طریق سے زاویوں ...کے درجے لگائے اور ہر درجے کو آگے دو حصوں میں تقسیم کیا جس کے باعث اس اصطرلاب ...سے نہ صرف درجوں تک بلکہ نصف درجے تک کی پیمائش کی جا سکتی تھی۔

الجرجانی ایک مشہور ریاضی دان اور ماہر ہیئت تھا۔ اس نے نصف النہار (MERIDION) معلوم کرنے کے لیے ایک ترقی یافتہ طریقہ معلوم کیا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ سطح زمین پر شمال کی طرف جاتے ہوئے تقریباً تیس میل کی مسافت طے کرنے پر بعد قطب ستارے کے زاویے میں محض نصف ڈگری کا فرق پڑتا ہے۔

الفرغانی کا شمار عہد مامونی کے نامور ماہرین ہیئت و ریاضی میں ہوتا ہے۔ اس نے اپنے مشاہدات کو اپنی کتاب "جوامع علم النجوم" میں پیش کیا۔ اس سائنس دان نے کرۂ ارض کے محیط کی پیمائش میں بڑا کمال دکھایا۔ اس کی پیمائش کے مطابق زمین کا گھیر پچیس ہزار میل بنتا ہے۔ یہ پیمائش موجودہ زمانے کی پیمائش سے جو ۲۴۸۵۸ میل مانی گئی ہے، صرف ۱۵۱ میل زیادہ ہے۔

السنان بھی ایک اعلیٰ پائے کا ریاضی دان ماہر فلکیات تھا۔ ہیئت میں اس نے بطلیموس کی مشہور کتاب "مجسطی" کی شرح لکھی۔ مگر اس کا قابل قدر کام قطع مکافی یعنی پیرا (PARADOLA) پر ہے۔ جس کے بارے میں اس نے ایسے مسائل حل کیے موجودہ زمانے میں صرف تکملی احصاء (INTEGRAL CALCUS) کی مدد سے حل کیے جاتے ہیں۔ اس نے دھوپ گھڑی پر بھی ایک رسالہ قلم بند کیا۔

الفارابی ارسطو کا سب سے بڑا شارح تھا۔ اس کی تمام تر شہرت اس کی فلسفہ کی وجہ سے ہے۔ اس کی کتاب "احصا العلوم" کا ترجمہ لاطینی میں (ENTUS) کے نام سے ہوا۔

اصطرلابی ریاضی دان اور ماہر فلکیات تو تھا ہی اسے آلات ہیئت بنانے میں کمال حاصل تھا۔

الزرقانی نے اوج شمسی (SOLAR APOGEE) کی دریافت کے لیے چار سو سے زائد مشاہدات کیے۔ ہیئت دانوں میں وہ پہلا شخص تھا جس نے واضح طور

Marfat.com

ر یا تھا کہ اوج شمس کے مقابلے میں تغیر پذیر ہوتا ہے۔

دائرۃ البروج کے انحراف ((OBLIGUIT OF ELLIPTIC)) کے متعلق
ں نے جو مشاہدات کیے ان سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس کی قیمت ۱۳ درجے ۱۲ منٹ
ر ۱۲ درجے ۵۲ کے درمیان بدلتی رہتی ہے۔

الہشیم مغرب میں ((ALHEZEN)) کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے ایک
ت سائنسی تحقیقات میں صرف کر دی۔ جس کے نتیجہ میں سائنس کی ایک اعلیٰ کتاب
تاب المناظر" کی صورت میں دنیا کے سامنے آئی۔ یہ طبیعات کی ایک مشہور شاخ روشنی
دنیا کی پہلی جامع کتاب ہے۔ اس کتاب میں روشنی کی ماہیت بیان کرنے کے بعد
نورافشاں اجسام اور بے نور اجسام کے فرق کی وضاحت کرتا ہے۔ نورافشاں
(LUMINOUS) وہ اجسام ہیں جو خود روشنی دیتے ہیں۔ ایسے اجسام کی مثال
سورج، چاند، ستاروں اور چراغ کا نام لیتا ہے۔

البیرونی ایک ماہر ہیئت دان تھا۔ ہیئت پر اس کی پہلی تصنیف کا نام "تفہیم" ہے
اس کی دوسری تصنیف جو فنی نوعیت کی ہے "قانون مسعودی" ہے۔ اس کتاب
میسری جلد علم المثلث یعنی ٹرگنومیٹری پر ہے ریاضی میں ہندسوی سلسلے یعنی کہ
(GEOMETRICAL PROGRESSION) کو جمع کرنے کا قاعدہ البیرونی
ایجاد ہے۔

الرازی مسلمانوں میں پہلا اور اجل مجدد طب تھا جس نے اس علم کو از سر نو مرتب کیا
یونانی تراجم سے عرب اطبا کو بے نیاز کر دیا۔

بوعلی سینا نے ناٹلی سے منطق، فلسفہ اور اقلیدس کی تعلیم حاصل کی۔ اس کی ذہانت
یہ عالم تھا کہ ایک معمولی سا اشارہ پا کر کئی مشکل مسائل اپنی دماغی کاوش ہی سے حل
لیتا تھا۔ وہ اپنے زمانے کا ایک عظیم ترین طبی سائنس دان تھا۔

ابتدائے آفرینش سے لوگ حقیقتِ ابدی کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں ہر ملک
قوم میں فلسفی و سائنس داں اپنے نظریات کی بنا پر مختلف فلسفے بناتے رہے ہیں۔ تمام فلاسفہ
کائنات اور اس کے مشتملات کی تخلیق پر غور کرتے رہے ہیں کسی نے کائنات کی تخلیق کو
دیوتاؤں سے منسوب کیا تو کسی نے کائنات کو پانی، پتھر یا آگ سے بنا ہوا سمجھا۔ کسی نے
اس کو حادثہ قرار دیا تو کسی نے تغیرِ زمانہ کا سبب جانا۔ بعض فلاسفہ کائنات کو از خود وجود
میں آنے والا عمل سمجھ کر خدا کے وجود ہی سے انکار کر بیٹھے۔ اور یوں فکری و فنی سرچ
محروم ہو گئے اور بعض فلاسفہ و سائنس داں خدا اور خدا کے لاشریک و واحد ہونے کو ثابت
کرتے ہوئے حقیقت کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں۔ جب کہ حقیقت کی تلاش کے لیے علم و عقل
کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم جتنا وسیع اور کامل ہوگا اتنا ہی وہ حقیقت کے جاننے میں مدد
دے گا۔ علم وسیع اور کامل نہ ہوگا تو حقیقت کو پانا ناممکن ہوگا۔ نتیجۃً نظریات غلط اور گم
کن بنیں گے۔ یہی عمل مصر و یونان اور دوسرے مشرقی ممالک میں ہی نہیں بلکہ علم و سائنس
ترقی سے پہلے ہر ملک میں رہا۔ عقل جتنی مستحکم اور سلیم ہوگی اتنا ہی حقیقت شناسی میں
دے گی۔ حقیقت صرف ایک ہے۔ حقیقت وحدانیت ہے اور یہی علم و عقل کی معراج ہے۔
معراج کسی مذہب، کسی ملت، کسی ملک سے مخصوص نہیں۔ ہر مذہب، ہر ملت، ہر ملک
ایسے لوگ ہوئے ہیں جنہیں اپنے فن کی معراج ہوئی ہے۔ اگرچہ ان کی فہرست خاصی طو
لیکن یہاں ہم فنی بلندیوں پر اٹھائے گئے۔ ان لوگوں کے نام اور کام اختصاراً پیش
جنہوں نے اپنی مفید ترین ایجادات سے ایک طرف تو بنی نوع انسان کو بڑے فائدے
پہنچائے اور دوسری طرف اپنے تجسس و تحقیق سے پوری کائنات کو کھوند ڈالا۔
ہیئت دان اور ریاضی دان اولاس رومر نے پیرس کی شاہی رصدگاہ میں مشتری
سیارے کے قمروں کا مشاہدہ کیا۔ جس طرح ہماری زمین کے گرد ایک چاند گردش کر
اسی طرح مشتری سیارے کے گرد ۹ چاند گھومتے ہیں۔ جن میں سے چار زیادہ روشن

Marfat.com

جس طرح ہمارا چاند جب اپنی گردش کے دوران زمین کے سامنے میں آجاتا ہے تو اس کو گرہن لگ جاتا ہے۔ اسی طرح مشتری کا کوئی قمر بھی جب مشتری کے سامنے کے اندر جاتا ہے تو اسے گرہن لگ جاتا ہے۔ اولاس رومر نے ان قمروں میں سے سب سے اندرونی قمر کے گہن لگنے کا وقت ناپا۔ جب زمین مشتری کے سب سے زیادہ قریب تھی پھر اُس نے ریاضی اور ہیئت کے علم سے حساب لگایا کہ کچھ ماہ کے بعد جب مشتری سے زمین سب سے زیادہ فاصلے پر ہوگی تو یہ قمر دوبارہ کس وقت گہن میں آئے گا جب اس نے فی الواقع اس گہن کا مشاہدہ کیا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے گہن لگنے کا جو وقت حساب لگا کر معلوم کیا تھا۔ اصل گہن اس سے سولہ منٹ اور چھ سیکنڈ پر لگا ہے۔ اس نے اس سبب پر غور کرنا شروع کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ ۱۶ منٹ اور چھ سیکنڈ کا یہ فرق اس وجہ سے پڑا کہ جب زمین اپنے مدار کے دوسرے سرے پر آگئی اور مشتری سے اس کا فاصلہ بڑھ گیا تو مشتری کے قمر کی روشنی کو زمین تک پہنچنے میں یہ زائد فاصلہ طے کرنا پڑا جس میں اس کو ۱۶ منٹ ۶ سیکنڈ لگ گئے۔ چونکہ زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ میل ہے۔ اس لیے اگر ہم زمین کے مدار کو گول شکل کا مان لیں تو اس کا قطر ۱۸ کروڑ میل ہو جاتا ہے۔ اولاس رومر کی یہ رائے تھی کہ اس سے چلنے والی روشنی کو ۱۸ کروڑ میل کا یہ فاصلہ طے کرنے میں ۱۶ منٹ ۶ سیکنڈ یعنی ۹۶۶ سیکنڈ لگے۔ اس دور کے عظیم ترین سائنس دان البرٹ آئن سٹائن کا یہ قول ہے کہ تمام کائنات مسلسل حرکت کر رہی ہے۔ آئن سٹائن کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہر حرکت ضائی ہے۔ آپ کسی جرم فلکی کی حرکت سے مقابلہ کیے بغیر زمین کی حرکت معلوم نہیں کر سکتے۔

(آئن سٹائن نے ایک اور اہم دریافت کی۔ وہ کہتا ہے کہ ہم ہمیشہ ایک غلطی کرتے آئے ہیں۔ ہمارا خیال یہی رہا ہے کہ اشیا کی ابعاد صرف تین ہوتی ہیں یعنی طول، عرض اور بلند لیکن چوتھی بعد بھی ہے جسے ہم نے نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ ہے وقت جب کہ وقت کے بغیر کوئی چیز جنم نہیں لیتی۔ اس چیز کی درخشاں مثال ستاروں سے دی

Marfat.com

جاسکتی ہے کہ وقت کس طرح الجادار یہ میں سے ایک ہے۔ آسمان میں ستارہ اس مقام پر نہیں ہوتا جہاں ہمیں اس کی چمک نظر آتی ہے ہم ستارے کو اس کی صرف روشنی سے دیکھتے ہیں لیکن بعض ستارے اتنے فاصلے پر ہیں کہ ان کی روشنی ہزاروں سال میں ہم تک پہنچتی ہے۔ جب ہم ان کی روشنی دیکھتے ہیں تو وہ اس مقام پر نہیں ہوتے جہاں سے ان کی روشنی چلی تھی۔ لہٰذا وقت کائنات سے آئن سٹائن نے نہ صرف نظریۂ اضافیت اور جوہر اور برقپاروں کے متعلق اہم انکشافات کیے بلکہ دنیا میں پائیدار امن کی جدوجہد کی بدولت بھی البرٹ آئن سٹائن کا نام لافانی ہے گا۔

ٹائیکو براہے کا مشاہدات افلاک میں کوئی ہمسر نہ تھا۔ یہ اس کے مشاہدات اور اس کی مرتب کردہ جدولیں ہی تھیں جن کی مدد سے اس کے بعد کے ہیئت دانوں نے شہرۂ آفاق قوانین دریافت کیے۔

میکس پلانک ریاضیاتی سائنس دان تھا۔ اس نے نظریہ کوانٹم کو جوہری ذرات کی جدید طبیعات کی اساس قرار دیا۔ میکس نے میکانیات میں کوانٹم میکانیات کا اضافہ کیا۔

نیل جوہر کو جدید ایٹمی نظریے کے باپ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے جوہری بم کی تیاری میں لیزے مائٹنر۔ آٹو فرش، آئن سٹائن اور انریکو فرمی جیسے بلند پایہ سائنس دانوں سے مباحثہ کیا تھا۔

ایک ماہر طبیعات سے گفتگو کے دوران دنیا کے عظیم ترین سائنس دان البرٹ آئن سٹائن نے ایک بات کہی تھی جو بہت مشہور ہوئی اور پرنسٹن یونیورسٹی میں شعبہ ریاضی کے سامن روم کے آتش دان پر پتھر میں کندہ کر کے محفوظ کر لی گئی۔ آئن سٹائن نے کہا

"خدا عظیم ہے۔ ذہین ہے۔ اس کی عظمت کو سمجھنے کے لیے ذہانت چاہیے"

اللہ کی عظمت کو سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اس کی ذات اعلیٰ صفات تو ذرہ ذرہ سے عیاں ہے۔ جب ہم کسی ماہری چیز کو دیکھتے ہیں تو فوراً اس کو بنانے والے کا خیال آجاتا ہے

Marfat.com

کون نہیں جانتا کہ کسی مادی چیز کا وجود نہیں ہوتا جب تک کہ اُس کو بنانے والا نہ ہو۔ اسی طرح جب ہم مظاہرِ کائنات کو دیکھتے ہیں تو ہم کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ ان کا وجود بھی کسی خالق کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ کہنا کہ یہ کائنات ازلی و ابدی یا قدیم ہے، یا پھر یہ سمجھ لینا کہ یہ کسی حادثہ یا از خود عمل سے وقوع پذیر ہوئی نہ صرف جہالت بلکہ کفرِ عظیم ہے۔ کائنات کی ہر چیز اُس کے ہونے کا ثبوت دیتی ہے۔ اس محیط و بسیط کائنات کی ہر شے پکار پکار کر اپنے خالق کے وجود کی گواہی دیتی ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر ہی تو ہے جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا، وہی قادرِ جزو و کل اور فاطر السموات والارض ہے۔ اُس کا وجود مسلمہ ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا وَ زَیَّنّٰھَا وَمَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا وَاَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍۢ بَھِیْجٍ ۝ تَبْصِرَۃً وَّذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝

(ق ۷-۸)

ترجمہ۔ کیا ان لوگوں نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا اور آراستہ کیا۔ اور اس میں کوئی خامی تک نہیں ہے۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جمایا اور اس میں ہر قسم کے خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔

قرآن حکیم ہی میں ایک اور جگہ فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُھَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ

Marfat.com

وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸)

ترجمہ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا اور پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں بعض سفید اور بعض سرخ ان کے بھی رنگ مختلف ہیں اور بعض بہت گہرے، اسی طرح آدمی اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں اور خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

علم کی بڑی بات ہے علم ہی معرفت کا پہلا اور آخری زینہ ہے۔ علم کے فضائل کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

علم کا سیکھنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔

علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے۔

بہترین عطیہ اور بہترین ہدیہ وہ کلمات ہیں جس کو تو سنے اور یاد کرے اور پھر اے مسلم بھائی پاس سیکھانے کے لیے لے جائے۔ تو یہ عمل ایک برس کی عبادت کے برابر ہوگا۔

(طبرانی)

آدمی کے لیے علم کا کوئی باب سیکھنا اس کے حق میں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

(ابن حبان۔ ابن عبدالبر۔ طبرانی)

تو جا کر علم کا کوئی باب سیکھے تو یہ ایک سو رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(ابن ماجہ)

فرشتے طالب علم کے کام سے خوش ہو کر اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ (حاکم)

علم کو مہد سے لحد تک تلاش کرو۔

Marfat.com

ایک عالم کی موت کے مقابلہ میں ایک قبیلہ کا مرجانا زیادہ آسان ہے۔

(بخاری و مسلم)

عالم زمین پر اللہ تعالیٰ کا امین ہے۔

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت ایک صحابی پر۔

(ترمذی)

عالم اور عابد کے درمیان سو درجوں کا فرق ہے۔ ایک ایک درجہ کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی ایک تیز رفتار گھوڑا ستر برس میں طے کرے۔

(دیلمی فی مسند الفردوس)

قیامت کے روز علما کی روشنی شہیدوں کے خون سے تولی جائے گی۔

(اجیاء العلوم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ باہر تشریف لائے تو دو مجلسیں دیکھیں۔ ایک مجلس میں لوگ اللہ سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ دوسری مجلس میں لوگ پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ تو دعائیں کر رہے ہیں۔ اگر وہ چاہے ان کو دے اور چاہے تو نہ دے۔ اور یہ لوگ تعلیم دے رہے ہیں اور مجھ کو اللہ تعالیٰ نے معلم بنا کر بھیجا ہے اور پھر ان کی طرف پلٹے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔

(ابن ماجہ۔ احیاء العلوم)

"اور سائنس بھی علم ہی کی ایک شاخ ہے۔ اس ضمن میں آئن سٹائن کے مذکورہ مقولہ کی تفسیر کرتے ہوئے تاریخ و سائنس کے پروفیسر اور فرانسیسی کے جریدے "لا ریشرش" کے ادارتی عملے کے رکن پروفیسر پینے تھویلے نے کہا۔

"سائنس کے معنی ہیں وہ ذاتی واقفیت جو براہ راست مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل ہوتی ہو۔"

Marfat.com

"سائنس کا مقصد اس کائنات کی تشریح کرنا ہے جس میں ہم آباد ہیں"

سرورِ کائنات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حصولِ علم کا شوق بچپن ہی سے تھا مگر اس زمانے میں حصولِ علم کے کوئی ذرائع نہیں تھے لہٰذا آپ کو اپنے ہی مشاہدہ پر اکتفا کرنا پڑا۔ آپؐ اکثر مکہ سے دو تین میل کے فاصلے پر غارِ حرا میں تنہا بیٹھ جاتے اور اپنا بہت سا وقت کائنات کی نوعیت و ماہیت اور خالقِ کائنات کی کبریائی پر غور و فکر میں مشغول رہتے آپؐ اکثر سوچا کرتے اور دعائیں مانگتے کہ میرے رب تو اپنے آپ کو میرے اوپر ظاہر کر دے سچائی کیا ہے۔ مجھ کو بتا دے"

(پیغمبرِ انقلاب۔ از مولانا وحید الزمان خاں ص۲۳)

اور جس نے یہ خواہش کی اور اس کے ساتھ عمل کیا خدا نے اسے بتایا۔ اس زمرے میں نہ صرف انبیاء کرام بلکہ دنیا کے دانشور، فلسفی، مفکر اور سائنس دان بھی شامل ہیں۔ اس نقطے کو حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تالیف "سیرت سرورِ عالم" میں نہایت فصاحت و بلاغت سے تحریر کیا ہے۔ مولانا موصوف خلدآشیانی فرماتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ کرۂ زمین جس پر ہم رہتے ہیں خدا کی عظیم الشان سلطنت کا ایک چھوٹا سا صوبہ ہے۔ جس میں خدا کی طرف سے جو پیغمبر بھیجے گئے ہیں ان کی حیثیت کچھ اس طرح کی سمجھ لیجیے جیسے دنیا کی حکومتیں اپنے ماتحت ملکوں میں گورنر یا وائسرائے بھیجا کرتی ہیں ایک لحاظ سے دونوں میں بڑا بھاری فرق ہے۔ دنیوی حکومتوں کے گورنر اور وائسرائے محض ملکی انتظام کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں اور سلطان کائنات کے گورنر اور وائسرائے اس لیے مقرر ہوتے ہیں کہ انسان کو صحیح تہذیب، پاکیزہ اخلاق اور سچے علم و عمل کے وہ اصول بتائیں جو روشنی کے مینار کی طرح انسانی زندگی کی شاہراہ پر کھڑے ہوتے صدیوں تک سیدھا راستہ دکھاتے رہیں۔ مگر اس کے باوجود دونوں میں ایک طرح کی مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ دنیا کی حکومتیں گورنری جیسے ذمہ داری کے منصب انہی لوگوں کو دیتی

جوان کے معتمد علیہ ہوتے ہیں۔ اور جب وہ انہیں اس منصب پر مقرر کرتی ہیں تو ان کو بتاتی ہیں کہ حکومت کا اندرونی نظام کس پالیسی پر کس طرح چل رہا ہے اور ان کے سامنے اپنے وہ راز بے نقاب کر دیتی ہیں جو عام رعایا پر ظاہر نہیں کیے جاتے۔ ایسا ہی حال خدا کی سلطنت کا بھی ہے۔ وہاں بھی پیغمبری جیسے ذمہ داری کے منصب پر وہی لوگ مقرر ہوتے ہیں جو سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تھے۔ اور جب انہیں اس منصب پر مقرر کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو اپنی سلطنت کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا۔ اور ان پر کائنات کے وہ اسرار ظاہر کیے جو عام انسانوں پر ظاہر نہیں کیے جاتے۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کو آسمان اور زمین کے اندرونی انتظام کا مشاہدہ کرایا۔

(الانعام۔ آیت ۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعلق سے ارشاد ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (الانعام ۷۵)

ترجمہ۔ ہم نے ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کی مخلوقات دکھلا دیں تاکہ وہ مکمل یقین کرنے والوں میں سے یعنی عارف ہو جائے۔ اور حضرت ابراہیم کو یہ بھی آنکھوں سے دکھایا گیا کہ خدا کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

(البقرہ۔ آیت ۲۶۰)

حضرت موسیٰ کو طور پر جلوہ ربانی دکھایا گیا۔ (الاعراف۔ ۱۴۳)

ایک خاص مدت تک حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پھرایا گیا تاکہ اللہ کی مشیت کے تحت دنیا کا انتظام جس طرح ہوتا ہے اس کو دیکھیں اور سمجھیں۔

(الکہف۔ آیات ۶۰ تا ۸۲)

حضرت ادریس علیہ السلام پیغمبر ہونے کے علاوہ ایک عظیم حکیم و ہیئت دان بھی تھے

Marfat.com

آپ حکمت وہیئت کے بانی تھے۔ آپ پر اللہ نے آسمانوں کے تمام راز کھول دیے تھے مثلاً آسمان کی ساخت کس مادے سے ہوئی۔ ستارے کہاں سے آئے۔ سال و ماہ کا تعین کیونکر کیا جائے۔ یہ علوم اگر حضرت ادریسؑ کو الہاماً نہ سکھائے جاتے تو دنیا محض اپنی کوششوں سے انہیں حاصل نہ کر سکتی تھی۔ ایسے ہی کچھ تجربات و مشاہدات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی تھے۔ کبھی آپؐ خدا کے مقرب فرشتے کو افق پر علانیہ دیکھتے ہیں۔

(التکویر۔ ۲۳)

کبھی وہ فرشتہ آپؐ سے قریب ہوتے ہوتے اس قدر قریب آجاتا ہے کہ آپؐ کے اور اس کے درمیان دو کمانوں کے بقدر بلکہ اس سے بھی کچھ کم فاصلہ رہ جاتا ہے۔

(النجم۔ ۶ تا ۹)

کبھی وہی فرشتہ آپؐ کو سدرۃ المنتہیٰ یعنی عالم مادی کی آخری سرحد پر ملتا ہے۔ اور وہاں آپ خدا کی عظیم الشان نشانیاں دیکھتے ہیں۔ (النجم ۱۳ تا ۱۸)

لیکن معراج محض مشاہدہ و معائنہ تک محدود نہ تھی بلکہ اس سے بھی اونچے درجے کی چیز تھی۔ اس کی مثال کچھ اس طرح کی ہے جیسے اقتدارِ اعلیٰ اپنے مقرر کردہ حاکم کو کسی اہم موقع پر براہ راست دارالسلطنت میں بلا کر کسی کارِ خاص پر مامور کرتا ہے اور اس کے لیے ضروری ہدایت دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس طرح بارگاہ خداوندی میں طلب کیا گیا تھا کیونکہ عنقریب تحریک اسلامی ایک اہم موڑ مڑنے والی تھی۔ اور اس موقع کی مناسبت سے آپؐ کو خاص ہدایات دینا مطلوب تھا۔ جس کا ذکر آگے چل کر تجلیات معراج میں آئے گا

بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن جریر، حاکم، ابوہریرہ کی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ اسراء کا آغاز حضورؐ کی چچازاد بہن ام ہانی کے گھر سے ہوا۔

آپؐ کی سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جس کا رنگ سفید تھا اور قد گدھے سے بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا تھا برق رفتار تھا۔ حضورؐ ام ہانی کے گھر جو کہ شعب ابی طالب میں

Marfat.com

تھلے سے نکلے۔ آپؐ کو مسجد حرام میں لے جایا گیا۔ براق اس قدر برق رفتار تھا کہ اس کا ہر قدم حد نظر پر پڑتا تھا۔ آپؐ کی پہلی منزل مدینہ منورہ تھی۔ وہاں سے بیت المقدس پہنچے۔ اس کے بعد ایک سیڑھی آپؐ کے سامنے پیش کی گئی اور جبریلؑ اس کے ذریعے سے آپؐ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ عربی زبان میں سیڑھی کو معراج کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے یہ سارا واقعہ معراج کے نام سے مشہور ہوا۔ انہی مشاہدات کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ایک ایسے فرشتے سے ہوئی جو نہایت ترشروئی سے ملا۔ آپ نے جبریلؑ سے پوچھا اب تک جتنے فرشتے ملے سب خندہ پیشانی اور بشاش چہروں کے ساتھ ملے۔ ان حضرت کی خشک مزاجی کا کیا سبب ہے؟ جبریلؑ نے کہا۔ اس کے پاس ہنسی کا کیا کام یہ تو دوزخ کا داروغہ ہے۔ یہ سُن کر آپ نے دوزخ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اُس نے یکایک آپؐ کی نظر کے سامنے سے پردہ اٹھا دیا اور دوزخ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ نمودار ہو گئی۔

پھر مزید ارتقا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے جو عرش گاہ رب العزت اور عالم خلق کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر تمام خلائق کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے ماورا جو کچھ ہے وہ غیب ہے جس کا علم نہ کسی نبی کو ہے نہ کسی مقرب فرشتے کو۔ سوائے اس کے جسے اللہ اس میں سے کوئی علم دے دے۔ نیچے سے جو کچھ دیا جاتا ہے وہ یہاں لے لیا جاتا ہے۔ اور اوپر سے جو کچھ آتا ہے اُسے یہاں وصول کر لیا جاتا ہے۔ اسی مقام کے قریب آپؐ کو جنت کا مشاہدہ کرایا گیا اور آپ نے دیکھا کہ اللہ نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ مہیا کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی ذہن میں اس کا تصور تک گزر سکا۔

سدرۃ المنتہیٰ پر جبریلؑ ٹھہر گئے اور آپؐ تنہا آگے بڑھے۔ قسطلانی نے مواہب میں حوالہ دیے بغیر یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جبریلؑ جب اپنے مقام پر پہنچے

تو انہوں نے کہا کہ اب آگے آپؐ کا اور آپؐ کے رب کا معاملہ ہے۔ میرا مقام یہ ہے جس سے آگے میں نہیں جا سکتا۔ جس کی تشریح منجم و جوتشی یہ کرتے ہیں کہ فلک اول قمر کا ہے۔ موکل اس کا اسمائیل ہے۔ فلک دوم عطارد کا ہے اور موکل اس کا یوحائیل ہے۔ فلک سوم زہرہ کا ہے اور موکل اس کا صورائیل ہے۔ فلک چہارم شمس کا ہے اور موکل اس کا اسرافیل ہے۔ فلک پنجم مریخ کا ہے۔ اور موکل اس کا عزرائیل ہے۔ فلک ششم مشتری کا ہے اور موکل اس کا میکائیل ہے۔ فلک ہفتم زحل کا ہے اور موکل اس کا جبرائیل ہے۔

یہ ترتیب جو بیان کی گئی ہے فرضی نہیں۔ ہر فلک کے ساتھ ستارہ کا تعلق ہے ستارہ کسی خاص فرشتے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور پھر اس ستارہ سے دن کا خاص تعلق نام نہاد نہیں۔ قدرت اتنے بڑے نظام کے تعلقات کو فرضی پیمانوں پر قائم نہیں کرتی۔ اگر ایسا ہوتا تو قدرت کی اکملیت میں فرق ہوتا۔

اس علم کو جاننے کے لیے جو تحقیق کی گئی ہے وہ حیران کن ہے۔ اس تحقیق نے علم جفر کو وضع کیا اور عالمان جفر نے ایک قاعدہ میزان الہیاکل والحروف کو وضع کیا جس سے دنیا کی ہر چیز کا اس کے اسم سے تجزیہ کیا جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ ملائکہ کیا ہیں۔ ان کے لیے خاص کام کیوں مقرر ہیں۔ ان کے نام کیوں ہیں؟

ان سوالات کے جواب میں عالمان علم الجفر جو کچھ کہتے ہیں اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

فلک ہفتم زحل کا ہے۔ یہ مقام جبریلؑ ہے۔ اس سے اگلا مقام یعنی آٹھواں آسمان لوح محفوظ کا ہے۔ یہی عرش ہے۔ علم النجوم کی اصطلاح میں یہی مقام دائرۃ البروج ہے جب پیغمبر خدا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، شب معراج آسمان پر لامکان کی طرف تشریف لے گئے تو جبریلؑ اپنے مقررہ مقام سے آگے نہ جا سکے۔ اس لیے کہ ان کی پہنچ یہیں تک تھی۔ یہی ان کا مقام تھا۔ اور جہاں تک حضرت جبریل کی پہنچ ہے وہاں تک دوسرے

Marfat.com

ملائک کی نہیں چونکہ مقام جبریلؑ مقام تدوسیت سے قریب ترین ہے اس لیے انہیں سلہ نہ وحی کا وسیلہ ذات حق نے بنایا۔ یہ خاکی مقام ہے۔ اس کا تعلق خاک سے ہے اس لیے زمین کی متعلقہ تمام چیزوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

مشتری فلک ششم پر ہے جو مقام میکائیل ہے اور مذہبی نقطہ نظر سے میکائیل کا کام یہ ہے کہ وہ ہواؤں اور فضاؤں کا منتظم ہے۔ سائنس دان یہ بتاتے ہیں کہ یہ زمین کی فضا سے کئی گنا بڑا ہے۔ یہ دنیا کی فضا کو انتہائی گرم یا انتہائی سرد کرنے میں مدد دیتا ہے علم ہیئت کے ماہرین یہ بتاتے ہیں کہ اس کے اثرات انسانوں اور حیوانوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

مریخ فلک پنجم پر ہے جس کا فرشتہ عزرائیل ہے۔ مذہبی کتب کی رو سے عزرائیل ملک الموت ہے اور لوگوں کی روحیں قبض کرنے کا کام قدرت نے اس کے سپرد کیا ہوا ہے۔ علم نجوم کی رو سے مریخ خونی ستارہ کہلاتا ہے۔ ہندو اسے بدھ دیوتا کہتے ہیں مغرب کے ستارہ شناسوں کے نزدیک مریخ سیارۂ جنگ و جدل ہے۔

سائنس یہ کہتی ہے کہ مریخ سے جو شعاعیں زمین پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ وہ نارنجی سرخ ہوتی ہیں۔ اور تخریب سے متعلق امور کو لاتی ہیں۔ سائنس دان مریخ میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مریخ سے ریڈیائی پیغام اہل زمین کو موصول ہو رہے ہیں۔ وہاں کے لوگ ہم سے زیادہ علم اور سائنس میں ترقی کر چکے ہیں۔ سائنس دان مریخی لوگوں سے تعلقات قائم کرنے اور وہاں تک پہنچنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔

شمس فلک چہارم پر ہے۔ یہ عین درمیان میں واقع ہے۔ اس سے دو فلک اوپر آتشی (مریخ و مشتری) کے ہیں۔ اس سے دو نیچے فلک (زہرہ و عطارد) بادی ہیں۔ اور یہ چاروں فلک ایسے لطیف کرّے ہیں کہ اسے زندگی اور قوت دیتے ہیں۔ کیونکہ آتش و باد ایک دوسرے کی زندگی کے ضامن ہیں۔ سائنس کہتی ہے کہ ہوا کے بغیر آگ نہیں روشن

Marfat.com

ہوسکتی۔ لہٰذا دونوں کروں کے درمیان سورج جیسی عظیم قوت کار کھنا قدرت کا کتنا بڑا راز ہے۔

یہ مقام مذہبی نقطۂ نظر سے اسرافیل سے متعلق ہے جو منہ میں صور لیے اس امر کا منتظر بیٹھا ہے کہ اسے پھونکے اور اس کی آواز قیامت برپا کردے۔ دنیا کی ہر چیز ریزہ ریزہ ہوجائے

موجودہ سائنس یہ کہتی ہے کہ سورج زمین پر زندگی کا منبع ہے۔ سورج کی حرارت کی کمی بیشی زمین پر تباہی کا باعث ہوگی۔ مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں نے پڑھا ہوگا کہ قیامت کے دن سورج سوا نیزے پر آجائے گا۔

چونکہ سورج نظام شمسی کا بادشاہ ہے اور تمام سیارگان اس کے گرد گھومتے ہیں یہ ہمیں روشنی اور گرمی دیتا ہے۔ اس کی مقناطیسی قوت ہی حرکت کا باعث ہے اس لیے سورج کے جو اثرات زمین پر پڑتے ہیں اس سے حیوانات، جمادات اور نباتات متاثر ہوتے ہیں۔

چاروں مشہور ملائکہ جو مذکورہ بالا آسمانوں پر متعین ہیں۔ ان کے ذمہ کچھ کام ہیں۔ انہیں کو علمائے علم ہیئت نے مقام سیارگان کے نام اور اثرات سے بیان کیا ہے۔ صرف طرز بیان اور تحقیق الگ الگ ہے نتیجہ ایک ہی برآمد ہوتا ہے۔

زہرہ فلک سوم پر ہے۔ یہ سورج اور زمین کے درمیان ہے۔ یہ ایک چمکدار ستارہ ہے جسے صبح اور شام بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کو صبح کا ستارہ بھی کہتے ہیں۔

عطارد فلک دوم پر ہے۔ یہ سورج سے بہت زیادہ نزدیک ہے۔ نجومی کہتے ہیں کہ عطارد کی ساعات میں تحریری معاہدات زیادہ مفید رہتے ہیں۔

قمر فلک اول پر ہے۔ یہ ہمارے فزیکل معاملات سے متعلق ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج سفر معرفت بھی تھا۔ جس میں حضورؐ نے حیرت انگیز تخلیقی و کونی معلومات سے آگاہی پائی۔ اللہ کی عظمتوں کو پہچانا۔ اور یہی معرفت الٰہیہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا سے پوچھا۔

"اے رب تو نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا"؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا

"تاکہ میں پہچانا جاؤں"۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ:

صحابہؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ کونسا عمل افضل ہے"؟

آپؐ نے فرمایا۔

"خدائے پاک کا علم"۔

صحابہؓ نے کہا۔

"آپ کونسا علم مراد لے رہے ہیں"؟

فرمایا۔

"خدائے پاک کا علم"۔

صحابہؓ نے کہا۔

"ہم عمل کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔ آپؐ علم کے متعلق جواب دے رہے ہیں"۔

آپؐ نے فرمایا

"خدا کے علم کے ساتھ ساتھ تھوڑا عمل بھی نفع دیتا ہے اور جہالت کے ساتھ زیادہ علم بھی فائدہ نہیں دیتا"۔

Marfat.com

تجلیاتِ معراج

بارگاہ جلال وجمال سامنے تھی۔ ہم کلامی کا شرف بخشا گیا۔ تجلیاتِ خداوندی کا ایک بیکراں و بے پایاں سلسلہ تھا جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ حضورؐ کی نگاہ اُن تجلیات کو دیکھ کر نہ چندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئیں۔ یعنی ایک طرف آپؐ کے کمال تحمل کا یہ حال تھا کہ ایسی زبردست تجلیات کے سامنے بھی آپؐ کی نگاہ میں کوئی چکاچوند پیدا نہ ہوئی اور آپؐ پورے سکون کے ساتھ ان کو دیکھتے رہے۔ دوسری طرف آپؐ کے ضبط و یکسوئی کا یہ کمال تھا کہ جس مقصد کے لیے آپؐ کو بلایا گیا تھا اسی پر آپؐ اپنے ذہن اور اپنی نگاہ کو مرکوز کیے رہے۔ اور توجہ اُس مقصد پر مرتکز تھی جس کے لیے آپؐ کو دربار بارگاہی میں بلایا گیا تھا۔

کیا حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا؟

حضرت موسیٰؑ کے متعلق قرآنِ مجید میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کو دیکھنے کی درخواست کی تھی اور انہیں جواب دیا گیا تھا کہ "لن ترانی" "تم مجھے نہیں دیکھ سکتے" (الاعراف ۱۴۳)

اب یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ شرف جو حضرت موسیٰؑ کو عطا نہیں کیا گیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا جاتا تو اس کی اہمیت خود ایسی تھی کہ اسے صاف الفاظ میں بیان کر دیا جاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں فرمایا گیا کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا

بلکہ واقعۂ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی یہ ارشاد ہوا کہ ہم اپنے بندے کو اس لیے لے گئے تھے کہ اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا

اور یہاں سدرۃ المنتہیٰ پر حاضری کے سلسلے میں بھی یہ فرمایا گیا ہے کہ "اُس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى

بخاری، کتاب التفسیر میں حضرت مسروق کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا۔

"اماں جان! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟"

ام المومنینؓ نے جواب دیا۔

"تمہاری اس بات سے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ تم یہ کیسے بھول گئے کہ تین باتیں ایسی ہیں جن کا اگر کوئی شخص دعویٰ کرے تو جھوٹا دعویٰ کرے گا!"

ان میں سے پہلی بات حضرت عائشہؓ نے یہ فرمائی کہ جو شخص تم سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹ کہتا ہے۔ کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اُس سے کلام کرے مگر یا تو وحی کے طور پر یا پردے کے پیچھے سے، یا یہ کہ ایک فرشتہ بھیجے اور وہ اس پر وحی کرے جو کچھ وہ چاہے۔ طبرانی اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ آنکھوں سے اور دوسری مرتبہ دل سے۔

اب رہیں دوسری روایات جو کتب حدیث میں منقول ہوئی ہیں وہ ایک دوسری سے بالکل مختلف ہیں۔ کسی میں دونوں رویتوں کو عینی کہا گیا ہے اور کسی میں ایک کو عینی اور دوسری کو قلبی۔ جب کہ علمائے اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ مقام اتصال پر چھائی بیکراں

Marfat.com

تجلیوں سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے مشابہ تھا اور اُس کی درمیانی انگلی میں وہی انگوٹھی تھی جو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ کی انگلی میں تھی اور پھر ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جناب امیر سفرِ معراج میں حضورؐ کے ہمرکاب تھے اور اس کی دلیل حضورؐ کے یہ فرامین پیش کرتے ہیں۔

لحمك لحمی۔ دمك دمی۔ روحك روحی نفسك نفسی
انت منی وانا منك ہ علی منی بمنزلة الراس من
جسدی ہ

علمائے اہل تشیع کا استفسار یہ ہے کہ کیا حضورؐ بغیر گوشت، خون، روح اور نفس کے معراج پر تشریف لے گئے تھے؟ معاذ اللہ ایسا ہرگز نہ تھا تو پھر اگر ان عوارض سمیت معراج ہوئی تو بقول رسولؐ صادق حضرت علیؑ بھی گئے تھے۔ مزید معلومات کے لیے "مناقب مرتضوی"، محمد صالح کشفی چشتی ملاحظہ فرمائیں۔

مقام قاب قوسین میں ہم کلامی کا شرف بخشا گیا اور جو باتیں ارشاد ہوئیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔
۲۔ سورۂ بقر کی آخری دو آیتیں تعلیم فرمائی گئیں۔
۳۔ شرک کے سوا دوسرے سب گناہوں کی بخشش کا ارشاد ہوا۔
۴۔ ارشاد ہوا کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اس کے حق میں ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ مگر جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جاتا اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

ابتداءً ۵۰ نمازوں کا فرض کیا جانا تو معراج کے بارے میں تمام احادیث کا متفق علیہ بیان ہے باقی اُمور حسب ذیل روایات میں مذکور ہیں۔

Marfat.com

مسلم، نسائی، ترمذی، بیہقی، مسند احمد، مسلم، بروایت انس بن مالک، ابن جریر ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ۔

پیشیٔ خداوندی سے واپسی پر آنحضورؐ نیچے اترے تو حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی انہوں نے روداد سن کر کہا۔

"میں بنی اسرائیل کا تلخ تجربہ رکھتا ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ آپؐ کی امت پچاس نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتی۔ جائیے اور کمی کے لیے عرض کیجیے"۔

آنحضورؐ گئے اور اللہ جل شانہ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پلٹے تو حضرت موسیٰؑ نے پھر وہی بات کہی۔ اُن کے کہنے پر آپؐ بار بار اوپر جاتے رہے اور ہر بار دس نمازیں کم کی جاتی رہیں۔ آخر پانچ نمازوں کی فرضیت کا حکم ہوا اور فرمایا گیا کہ یہی پچاس کے برابر ہیں۔

جس رات معراج ہوئی اس کے بعد دو دن تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام ہر نماز کے وقت حضورؐ کے پاس یہ بتانے کے لیے آتے رہے کہ جو پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں ان کو ادا کرنے کے اوقات کیا ہیں۔

انہوں نے ہر نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امامت میں پہلے دن اول وقت پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت۔ پھر کہا کہ ہر نماز کا وقت ان دونوں اوقات کے درمیان ہے۔

یہ روایت امام احمد، نسائی، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کی ہے اور امام بخاری نے اسے اوقاتِ نماز کے معاملہ میں صحیح ترین چیز قرار دیا ہے۔

معراج کے اس سفر سے واپس آکر جو پیام اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا وہ قرآن مجید کی سترہویں سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۲ تا ۳۹) میں لفظ بلفظ محفوظ ہے۔

یہ ہدایات ہجرت سے ایک سال پہلے دی گئی تھیں۔ آپؐ کو ایک اسلامی اصولوں

Marfat.com

پر ایک نئی ریاست کا سنگ بنیاد رکھنا تھا۔ نبیؐ اور اصحاب نبیؐ کو انہی ہدایات پر آگے کام کرنا تھا۔

اس پیغام میں معراج کا ذکر کرنے کے بعد سب سے پہلے بنی اسرائیل کی تاریخ سے عبرت دلائی گئی ہے۔ مصریوں کی غلامی سے نکل کر بنی اسرائیل نے جب آزاد زندگی شروع کی تھی تو خداوندِ عالم نے اُن کی رہنمائی کے لیے کتاب عطا فرمائی تھی اور تاکید کر دی تھی کہ میرے سوا اب اپنے معاملات میں کسی اور کی ہدایت پر اعتماد نہ کرنا۔ مگر بنی اسرائیل نے خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کیا۔ اور وہ زمین پر مصلح بننے کے بجائے مفسد و سرکش بن گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ایک مرتبہ ان کو بابل والوں سے پامال کرایا اور دوسری مرتبہ رومیوں کو اُن پر مسلط کر دیا۔

اس سبق آموز تاریخ کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کر دیا کہ صرف قرآن ہی وہ چیز ہے جو تمہیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتائے گی۔ اس کی پیروی میں کام کرو گے تو تمہارے لیے بڑے انعام کی بشارت ہے۔

دوسری اہم حقیقت جس کی طرف توجہ دلائی گئی وہ یہ ہے کہ ہر انسان خود اپنی ایک مستقل اخلاقی ذمہ داری رکھتا ہے۔ اس کا اپنا عمل اس کے حق میں فیصلہ کُن ہے۔ سیدھا چلے گا تو آپ اپنا بھلا کرے گا۔ غلط راستہ اختیار کرے گا تو خود ہی نقصان اٹھائے گا۔ اس شخصی ذمہ داری میں کوئی کسی کا شریک نہیں۔ نہ کسی کا بار دوسرے پر پڑ سکتا ہے لہٰذا ایک صالح معاشرے کے ہر ہر فرد کو اپنی ذاتی ذمہ داری پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ دوسرے جو کچھ بھی کر رہے ہوں اسے پہلی فکر یہ ہونی چاہیے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے۔

تیسری بات جس پر متنبہ کیا گیا وہ یہ ہے کہ ایک معاشرے کو آخر کار جو چیز تباہ کرتی ہے وہ اس کے بڑے لوگوں کا بگاڑ ہے۔ جب کسی قوم کی شامت آنے کو ہوتی ہے تو اس کے خوشحال اور صاحبِ اقتدار لوگ فسق و فجور پر اتر آتے ہیں، ظلم و ستم اور بدکاریاں کرنے لگتے ہیں

آخر یہی فتنہ پوری قوم کو لے ڈوبتا ہے۔ لہٰذا جو معاشرہ آپ اپنا دشمن نہ ہونا چاہے اسے فکر رکھنی چاہیے کہ اس کے ہاں سیاسی اقتدار کی باگیں اور معاشی دولت کی کنجیاں کم ظرف اور بد اخلاق لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے پائیں۔

پھر مسلمانوں کو وہ بات یاد دلائی گئی جو قرآن میں بار بار دہرائی جاتی رہی ہے کہ اگر تمہارے پیش نظر صرف یہی دنیا اور اس کی کامیابیاں اور خوشحالیاں ہوں تو یہ سب کچھ تمہیں مل سکتا ہے، مگر اس کا انجام بہت برا ہے۔ مستقل اور پائیدار کامیابی جو اس زندگی سے لے کر دوسری زندگی تک کہیں نامرادی سے داغ دار نہیں ہونے پاتی تمہیں صرف اسی صورت میں مل سکتی ہے جب کہ تم اپنی کوششوں میں آخرت اور اس کی باز پرس کو پیش نظر رکھو۔ دنیا پرست کی خوشحالی بظاہر تعمیر کی شان رکھتی ہے لیکن اس تعمیر میں ایک بہت بڑی خرابی کی صورت بھی مضمر ہے۔ وہ اخلاق کی اس فضیلت سے محروم رہتا ہے جو صرف آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھنے ہی سے پیدا ہوا کرتی ہے۔

یہ فرق تم دنیا ہی میں دونوں طرح کے آدمیوں کے درمیان دیکھ سکتے ہو۔ یہی فرق بعد کے منازل حیات میں اور زیادہ نمایاں ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک کی زندگی سراسر ناکامی اور دوسرے کی زندگی سراسر کامیابی بن کر رہے گی۔

ان تمہیدی نصیحتوں کے بعد وہ بڑے بڑے اصول بیان کیے گئے ہیں جن پر آئندہ اسلامی ریاست اور معاشرے کی تعمیر ہونی تھی۔ یہ چودہ اصول ہیں اور ہم انہیں اسی ترتیب سے پیش کرتے ہیں جس طرح وہ معراج کے اس پیغام میں بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) خدائے واحد کے سوا کسی کی خداوندی نہ مانی جائے۔ صرف وہی تمہارا معبود ہو۔ اس کی بندگی و اطاعت کرو۔ اسی کے حکم کی پیروی تمہارا شعار ہو۔

اگر اس کے علاوہ کسی اور کا اقتدارِ اعلیٰ تم نے تسلیم کر لیا خواہ وہ کوئی غیر ہو یا تمہارا اپنا نفس۔ تو آخر کار تم قابلِ مذمت بن کر رہو گے۔ اور ان برکتوں سے محروم ہو جاؤ گے

Marfat.com

جو صرف خدا کی تائید سے ہی حاصل ہوا کرتی ہیں۔

(۲) انسانی حقوق میں سب سے اہم اور مقدم حق والدین کا ہے۔ اولاد کو والدین کا مطیع، خدمت گزار اور ادب شناس ہونا چاہیے۔ معاشرے کا اجتماعی اخلاق ایسا ہونا چاہیے جس میں اولاد والدین سے بے نیاز اور سرکش نہ ہو بلکہ ان سے نیک سلوک کرے ان کا احترام ملحوظ رکھے اور بڑھاپے میں ان کی وہی ناز برداری کرے جو کبھی بچپن میں وہ اس کی کر چکے ہیں۔ اس اجتماعی زندگی میں تعاون، ہمدردی اور حق شناسی و حق رسانی کی روح جاری و ساری رہے۔ ہر رشتہ دار اپنے دوسرے رشتہ دار کا مددگار ہو۔

ہر محتاج انسان دوسرے انسانوں سے مدد پانے کا حق دار ہو۔ ایک مسافر جس بستی میں بھی جائے اپنے آپ کو مہمان نواز لوگوں کے درمیان پائے۔

معاشرے میں حق کا تصور اتنا وسیع ہو کہ ہر شخص ان سب انسانوں کے حقوق اپنے اوپر محسوس کرے جس کے درمیان وہ رہتا ہے۔

ان کی کوئی خدمت کرے تو یہ سمجھے کہ وہ ان کا حق ادا کر رہا ہے نہ کہ احسان کا بوجھ ان پر لاد رہا ہے۔

اور اگر کسی خدمت کے قابل نہ ہو تو معذرت کرے اور خدا سے فضل مانگے تاکہ وہ دوسروں کے کام آسکے۔

(۴) لوگ اپنی دولت کو غلط طریقوں سے ضائع نہ کریں۔ فخر اور ریا اور نمائش کے خرچ عیاشی اور فسق و فجور کے خرچ جو انسان کی حقیقی ضروریات اور مفید کاموں میں صرف ہونے کے بجائے دولت کے غلط راستوں میں بہا دیں، دراصل خدا کی نعمت کا کفران ہیں۔

جو لوگ اس طرح اپنی دولت کو خرچ کرتے ہیں وہ حقیقت میں شیطان کے بھائی ہیں

Marfat.com

اور ایک صالح معاشرے کا فرض ہے کہ ایسے بے جا صرفِ مال کو اخلاقی تربیت اور قانونی پابندیوں کے ذریعہ سے روک دے۔

(۵) لوگوں میں اتنا اعتدال ہونا چاہیے کہ وہ نہ تو بخیل بن کر دولت کی گردش کو روکیں اور نہ فضول خرچ بن کر اپنی معاشی طاقت کو ضائع کریں۔

معاشرے کے افراد میں توازن کی ایک ایسی صحیح حس پائی جانی چاہیے کہ وہ بیجا خرچ سے باز بھی نہ رہیں اور بے جا خرچ کی خرابیوں میں مبتلا بھی نہ ہوں۔

(۶) خدا نے اپنے رزق کی تقسیم کا جو نظام قائم کیا ہے انسان اپنی مصنوعی تدبیروں سے اس میں دخل انداز نہ ہو۔ اس نے اپنے سب بندوں کو رزق میں مساوی نہیں رکھا ہے بلکہ ان کے درمیان کم و بیش کا فرق رکھا ہے۔

اس کے اندر بہت سی مصلحتیں ہیں جن کو وہ خود ہی بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا ایک صحیح معاشی نظام وہی ہے جو خدا کے مقرر کیے ہوئے اس طریقہ سے قریب تر ہو۔ فطری نامساوات کو ایک مصنوعی مساوات میں تبدیل کرنا یا نامساوات کو فطرت کی حدود سے بڑھا کر بے انصافی کی حد تک پہنچا دینا دونوں یکساں غلط ہیں۔

(۷) نسلوں کی افزائش کو اس ڈر سے روک دینا کہ کھانے والے بڑھ جائیں گے تو معاشی ذرائع تنگ ہو جائیں گے۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے جو لوگ اس اندیشے سے آنے والی نسل کو ہلاک کرتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ رزق کا انتظام ان کے ہاتھ میں ہے۔ حالانکہ رازق وہ خدا ہے جس نے انسانوں کو زمین میں بسایا ہے پہلے آنے والوں کے لیے بھی رزق کا سامان اسی نے کیا تھا اور بعد کے آنے والوں کے لیے بھی وہی سامان کرے گا۔

جتنی آبادی بڑھتی ہے خدا اسی نسبت سے معاشی ذرائع بھی وسیع کر دیتا ہے لہٰذا لوگ خدا کے تخلیقی انتظامات میں بے جا دخل اندازی نہ کریں۔ اور کسی قسم کے

Marfat.com

حالات میں بھی ان کے اندر نسل کشی کا میلان پیدا نہ ہونے پائے۔

(۸) زنا عورت اور مرد کے تعلق کی ایک بالکل غلط صورت ہے۔ اس کو نہ صرف بند ہونا چاہیے بلکہ معاشرے کے اندر ان اسباب کا بھی سدباب کیا جانا چاہیے جو انسان کو اس کے قریب لے جاتے ہیں۔

(۹) انسانی جان کو اللہ تعالیٰ نے قابلِ احترام ٹھہرایا ہے۔ کوئی شخص نہ اپنی جان لینے کا حق رکھتا ہے نہ کسی دوسرے کی جان۔ خدا کی مقرر کی ہوئی یہ حرمت صرف اسی صورت میں ٹوٹ سکتی ہے جب کہ خدا ہی کا مقرر کیا ہوا کوئی حق اس کے خلاف قائم ہو جائے پھر حق قائم ہو جانے کے بعد بھی خونریزی صرف اسی حد تک ہونی چاہیے جہاں تک حق کا تقاضا ہو۔

قتل میں اسراف کی تمام صورتیں بند ہو جانی چاہییں۔ مثلاً جوشِ انتقام میں مجرم کے علاوہ دوسروں کو قتل کرنا جن کے خلاف حق قائم نہیں ہوا ہے، یا مجرم کو عذاب دے دے کر مارنا، یا مار دینے کے بعد اُس کی لاش کی بے حرمتی کرنا یا ایسی ہی دوسری انتقامی زیادتیاں جو دنیا میں رائج رہی ہیں۔

(۱۰) یتیموں کے مفاد کی اس وقت تک حفاظت ہونی چاہیے جب تک وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہو جائیں۔ ان کے مال میں کوئی ایسا تصرف نہ ہونا چاہیے جو خود اُن کے مفاد کے لیے بہتر نہ ہو۔

(۱۱) عہد و پیمان خواہ افراد ایک دوسرے سے کریں یا ایک قوم دوسری قوم سے کرے بہر حال ایمانداری سے پورے کیے جائیں۔ معاہدوں کی خلاف ورزی پر خدا کے ہاں باز پرس ہوگی۔

(۱۲) ناپ اور پیمانے اور اوزان ٹھیک رکھے جائیں اور لین دین میں صحیح تول تولا جائے۔

(۱۳) تم کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کے صحیح ہونے کا تمہیں علم نہ ہو۔ اپنی سماعت اور

Marfat.com

بینائی کا اور پنے دلوں کی نیتوں، خیالوں اور ارادوں کا تمہیں خدا کو حساب دینا ہوگا۔

(۱۴) زمین میں جباروں اور متکبروں کی چال نہ چلو۔ تم نہ اپنی اکڑ سے زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ اپنے غرور میں پہاڑوں سے سر بلند ہو سکتے ہو۔

یہی وہ اصول تھے جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے پہنچ کر اسلامی سوسائٹی اور اسلامی ریاست کی تعمیر فرمائی۔

اسی سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے وہ دعا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائی جسے دعائے ہجرت کہا جاتا ہے۔

ترمذی اور حاکم نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا اذن دیا گیا تھا۔

"اور اے نبی، دعا کرو کہ پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔"

(بنی اسرائیل، آیت ۸۰)

اس دعا کی تلقین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کا وقت اب بالکل قریب آ لگا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ تمہاری دعا یہ ہونی چاہیے کہ صداقت کا دامن کسی حال میں تم سے نہ چھوٹے۔ جہاں سے بھی نکلو صداقت کی خاطر نکلو اور جہاں بھی جاؤ صداقت کے ساتھ جاؤ۔

اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔ تاکہ اس کی طاقت میں سے دنیا کے بگاڑ کو دور کر سکوں۔ فواحش اور معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں۔ اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کر سکوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لیے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جب کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خود سکھائی ہے۔ اور حدیث میں

Marfat.com

یہ الفاظ ملتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ اکومت کی طاقت سے اُن چیزوں کا سدباب کر دیتا ہے جن کا سدباب قرآن سے نہیں کرتا۔"

تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اقامت دین اور نفاذِ شریعت اور اجرائے حدود اللہ کے لیے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مطلوب و مندوب ہے۔ اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ خدا کے دین کے لیے حکومت کا طالب ہونا تو خدا پرستی ہی کا عین تقاضا ہے۔

معراج ہی کے موقعہ پر سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئیں۔ ان آیات کا اختتام اس دعا پر ہوتا ہے۔

"اے ہمارے رب! ہم سے اگر بھول چوک میں کچھ قصور ہو گئے ہوں تو ان پر گرفت نہ کر۔ مالک ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مولیٰ ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔"

یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ دعا ان حالات میں سکھائی گئی تھی۔ جب مکہ میں کفر و اسلام کی کشمکش انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ مسلمانوں پر مصائب و مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے بلکہ سرزمین عرب میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں کسی بندۂ خدا نے دین حق کی پیروی اختیار کی ہو۔ اور اس کے لیے خدا کی زمین پر سانس لینا دشوار نہ کر دیا گیا ہو۔

ان حالات میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ اپنے مالک سے اس طرح دعا مانگا کرو۔ ظاہر ہے کہ دینے والا خود ہی جب مانگنے کا ڈھنگ بتائے تو ملنے کا یقین آپ سے آپ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دعا اس وقت مسلمانوں کے لیے غیر معمولی تسکین قلب کا

موجب ہوئی۔ علاوہ بریں اس دعا میں ضمناً مسلمانوں کو یہ بھی تلقین کر دی گئی کہ وہ اپنے جذبات کو کسی نامناسب رُخ پر نہ بہنے دیں بلکہ انہیں اس دعا کے سانچے میں ڈھال لیں۔

ایک طرف ان روح فرسا مظالم کو دیکھیے جو محض حق پرستی کے جرم میں ان لوگوں پر توڑے جا رہے تھے اور دوسری طرف اس دعا کو دیکھیے جس میں دشمنوں کے خلاف کسی تلخی کا شائبہ تک نہیں۔ ایک طرف ان جسمانی تکلیفوں اور مالی نقصانات کو دیکھیے جن میں یہ لوگ مبتلا تھے اور دوسری طرف اس دعا کو دیکھیے جس میں کسی دنیوی مفاد کی طلب کا ادنیٰ نشان تک نہیں۔ ایک طرف ان حق پرستوں کی انتہائی خستہ حالی کو دیکھیے اور دوسری طرف ان بلند و پاکیزہ جذبات کو دیکھیے جن سے یہ دعا لبریز ہے۔ اس تقابل ہی سے صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اہل ایمان کو کس طرز کی اخلاقی و روحانی تربیت دی جا رہی تھی۔

معراج کے پیغام میں مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی تھی کہ وہ ذمہ داریاں کیا ہیں۔

وہ صرف یہی نہیں ہیں کہ آپ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نماز پڑھیں۔ روزہ رکھیں۔ حج کریں اور زکوٰۃ دیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ معاملات میں اسلام کے مقرر کیے ہوئے ضابطے پر عمل کریں۔ بلکہ ان سب کے علاوہ ایک بڑی اور بہت بھاری ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوتی ہے کہ آپ تمام دنیا کے سامنے اُس حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوں جس پر آپ ایمان لائے ہیں۔

مسلمان کے نام سے آپ کو ایک مستقل امت بنانے کی واحد غرض جو قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ آپ تمام بندگان خدا پر شہادت حق کی حجت پوری کریں۔

یہ آپ کی امت کا عین مقصد وجود ہے جسے آپ نے پورا نہ کیا تو گویا اپنی زندگی

Marfat.com

ہی اکارت گنوادی۔ یہ آپ پر خدا کا عائد کیا ہوا فرض ہے کیونکہ خدا کا حکم یہ ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا کی خاطر اٹھنے والے اور ٹھیک ٹھیک راستی کی گواہی دینے والے بنو۔ اور یہ نرا حکم ہی نہیں تاکیدی حکم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس کے پاس اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس فرض کو انجام نہ دینے کا نتیجہ کیا ہے آپ سے پہلے اس گواہی کے کٹہرے میں یہودی کھڑے کیے گئے تھے مگر انہوں نے کچھ تو حق کو چھپایا اور کچھ حق کے خلاف گواہی دی اور فی الجملہ حق کے نہیں بلکہ باطل کے گواہ بن کر رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے انہیں دھتکار دیا اور ان پر وہ پھٹکار پڑی کہ ذلت و خواری اور پستی و بدحالی ان پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کے عذاب میں گھر گئے۔

یہ شہادت جس کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو حق آپ کے پاس آیا ہے۔ جو صداقت و حقیقت آپ پر منکشف کی گئی ہے، آپ دنیا کے سامنے اس کے حق اور صداقت ہونے پر اور اس کے راہ راست ہونے پر گواہی دیں۔

ایسی گواہی جو اس کے حق اور راستی ہونے کو مبرہن کر دے اور دنیا کے لوگوں پر دین کی حجت پوری کر دے۔ اسی شہادت پر انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے تھے اور اس کا ادا کرنا ان پر فرض تھا۔

پھر یہی شہادت تمام انبیاء کے بعد ان کی امتوں پر فرض ہوتی رہی۔ اور اب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ فرض امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی اسی طرح عائد ہوتا ہے جس طرح حضورؐ پر آپؐ کی زندگی میں شخصی حیثیت سے عائد تھا۔

اس گواہی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ نوع انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بازپرس اور جزا و سزا کا جو قانون مقرر کیا ہے اس کی ساری بنیاد ہی اس گواہی پر ہے اللہ تعالیٰ حکیم و رحیم اور قائم بالقسط ہے۔ اس کی حکمت و رحمت اور اس کے انصاف

سے یہ بعید ہے کہ لوگوں کو اس کی مرضی نہ معلوم ہو اور وہ انہیں اس بات پر پکڑے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف چلے۔ لوگ نہ جانتے ہوں کہ راہِ راست کیا ہے اور ان کی کج روی پر ان سے مواخذہ کرے۔ لوگ اس سے بے خبر ہوں کہ ان سے کسی چیز کی باز پرس ہونی ہے اور وہ انجانی چیز کی ان سے باز پرس کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آفرینش کی ابتدا ہی ایک پیغمبر سے کی اور پھر وقتاً فوقتاً بے شمار پیغمبر بھیجے تاکہ وہ نوع انسانی کو خبردار کریں کہ تمہارے معاملے میں تمہارے خالق کی مرضی یہ ہے۔ تمہارے لیے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے یہ رویہ ہے جس سے تم اپنے مالک کی رضا کو پہنچ سکتے ہو۔ یہ کام ہیں جو تم کو کرنے چاہییں۔ یہ کام ہیں جن سے تم کو بچنا چاہیے۔ اور یہ امور ہیں جن کی تم سے باز پرس کی جائے گی۔

یہ شہادت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے دلوائی۔ اس کی غرض قرآن مجید میں صاف صاف یہی بتائی گئی ہے کہ لوگوں کو اللہ پر یہ حجت قائم کرنے کا موقع باقی نہ رہے کہ ہم بے خبر تھے اور آپ ہمیں اس چیز پر پکڑتے ہیں جس سے ہم کو خبردار نہ کیا گیا تھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حجت اپنے اوپر سے اتار کر پیغمبروں پر ڈال دی اور پیغمبر اس اہم ذمہ داری کے منصب پر کھڑے کر دیے گئے کہ اگر وہ شہادت حق کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کر دیں تو لوگ اپنے اعمال پر خود باز پرس کے مستحق ہوں اور اگر ان کی طرف سے ادائے شہادت میں کوتاہی ہو تو لوگوں کی گمراہی و کجروی کا مواخذہ پیغمبروں سے کیا جائے۔

دوسرے الفاظ میں پیغمبروں کے منصب کی نزاکت یہ تھی کہ یا تو وہ حق کی شہادت ٹھیک ٹھیک ادا کر کے لوگوں پر حجت قائم کریں ورنہ لوگوں کی حجت الٹی ان پر قائم ہو گی جاتی تھی کہ خدا نے حقیقت کا جو علم آپ حضرات کو دیا تھا وہ آپ نے ہمیں نہ پہنچایا اور جو صحیح طریق زندگی اس نے آپ کو بتایا تھا وہ آپ نے ہمیں نہ بتایا یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے اوپر اس ذمہ داری کے بار کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے اور اسی بنا پر انہوں نے اپنی طرف سے حق کی شہادت ادا کرنے اور لوگوں پر حجت تمام کر دینے کی جان توڑ کوششیں کیں۔

Marfat.com

پھر انبیاء کے ذریعہ سے جن لوگوں نے حق کا علم اور ہدایت کا راستہ پایا وہ ایک امت بناتے گئے اور وہی منصب شہادت کی ذمہ داری، جس کا بار انبیاء پر ڈالا گیا تھا اب اس امت کے حصہ میں آئی۔

انبیاء کی قائم مقام ہونے کی حیثیت سے اس کا یہ مقام قرار پایا کہ اگر یہ امت شہادت حق ادا کرے اور لوگ درست نہ ہوں تو یہ اجر پائے گی اور لوگ پکڑے جائیں اور یہ حق کی شہادت دینے میں کوتاہی کرے، یا حق کے بجائے الٹی باطل کی شہادت دینے لگے تو لوگوں سے پہلے یہ پکڑی جائے گی۔ اس سے خود اس کے اعمال کی باز پرس بھی ہوگی اور ان لوگوں کے اعمال کی بھی جو اس کے صحیح شہادت نہ دینے یا غلط شہادت دینے کی وجہ سے گمراہ اور مفسد اور غلط کار رہے۔

یہ ہے شہادتِ حق کی وہ نازک ذمہ داری جو مجھ پر، آپ پر اور ان سب لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اپنے کو امتِ مسلمہ کہتے ہیں۔ اور جن کے پاس خدا کی کتاب اور ان کے انبیاء کی ہدایت پہنچ چکی ہے۔ اب دیکھیے کہ اس شہادت کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

شہادتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک قولی شہادت۔ دوسری عملی شہادت۔ قولی شہادت کی صورت یہ ہے کہ ہم زبان اور قلم سے دنیا پر اس حق کو واضح کریں جو انبیاء کے ذریعہ ہمیں پہنچا، سمجھانے اور دل نشین کرنے کے جتنے طریقے ممکن ہیں ان سب سے کام لے کر تبلیغ و دعوت اور نشر و اشاعت کے جتنے ذرائع ممکن ہیں ان سب کو استعمال کر کے، علوم و فنون نے جس قدر مواد فراہم کیا ہے وہ سب اپنے ہاتھ میں لے کر، ہم دنیا کو اس دین کی تعلیم سے روشناس کریں جو خدا نے انسان کے لیے مقرر کیا ہے۔ فکر و اعتقاد میں، اخلاق و سیرت میں، تمدن و معاشرت میں، کسب معاش اور لین دین میں، قانون اور نظم عدالت میں، سیاست اور تدبیر مملکت میں، بین الانسانی معاملات کے تمام دوسرے پہلوؤں میں، اس دین نے انسان کی رہنمائی کے لیے جو کچھ پیش کیا ہے اسے ہم خوب کھول کھول کر بیان کریں۔ دلائل اور شواہد سے اس کا حق

ثابت کردیں، اور جو کچھ اس کے خلاف ہے اس پر معقول تنقید کر کے بتائیں کہ اس میں کیا خرابی ہے
اس قولی شہادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ امت مجموعی طور پر ہدایت خلق کے لیے اسی
طرح فکر مند نہ ہو جس طرح انبیاء علیہم السلام انفرادی طور پر اس لیے فکر مند رہا کرتے تھے۔ یہ
حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ کام ہماری تمام اجتماعی کوششوں اور قومی سعی و جہد کا
مرکزی نقطہ ہو۔ ہم اپنے دل و دماغ کی ساری قوتیں اور اپنے سارے وسائل و ذرائع اس پر
لگا دیں۔ ہمارے تمام کاموں میں یہ مقصد لازماً ملحوظ رہے۔ اور اپنے درمیان سے کسی ایسی
آواز کے اٹھنے کو تو کسی حال میں ہم برداشت ہی نہ کریں جو حق کے خلاف شہادت دینے
والی ہو۔

رہی عملی شہادت تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اُن اصولوں کا عملاً مظاہرہ کریں
جن کو ہم حق کہتے ہیں۔ دنیا صرف ہماری زبان ہی سے ان کی صداقت کا ذکر نہ سنے بلکہ خود اپنی آنکھوں
سے خود ہماری زندگی میں ان کی خوبیوں اور برکتوں کا مشاہدہ کر لے۔ وہ ہمارے برتاؤ میں اس
شیرینی کا ذائقہ چکھ لے جو ایمان کی حلاوت سے انسان کے اخلاق و معاملات میں پیدا ہوتی ہے
وہ خود دیکھ لے کہ اس دین کی راہنمائی میں کیسے اچھے انسان بنتے ہیں کیسی عادل سوسائٹی
قائم ہوتی ہے۔ کیسی صالح معاشرت وجود میں آتی ہے۔ کس قدر ستھرا اور پاکیزہ تمدن پیدا ہوتا ہے
کیسے صحیح خطوط پر علوم و آداب اور فنون کا نشوونما ہوتا ہے۔ کیسا منصفانہ، ہمدردانہ اور
بے نزاع معاشی تعاون رونما ہوتا ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر پہلو کس طرح سدھر
جاتا ہے۔ سنور جاتا ہے۔ اور بھلائیوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اس شہادت کا حق صرف
اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ ہم فرداً فرداً بھی اور قومی حیثیت سے بھی اپنے دین کی حقانیت
پر مجسم شہادت بن جائیں۔ ہمارے افراد کا کردار اس صداقت کا ثبوت دے۔ ہمارے گھر
اس کی خوشبو سے مہکیں۔ ہماری دکانیں اور ہمارے کارخانے اس کی روشنی سے جگمگائیں
ہمارے دارے اور ہمارے مدرسے اس کے نور سے منور ہوں۔

Marfat.com

ہمارا لٹریچر اور ہماری صحافت اس کی خوبیوں کی سند پیش کرے۔ ہماری قومی یا ملی اور اجتماعی سعی و جہد اس کے برحق ہونے کی روشن دلیل ہو۔

غرض ہم سے جہاں اور جس حیثیت میں بھی کسی شخص یا قوم کو سابقہ پیش آئے وہ ہمارے شخصی اور قومی کردار میں اس بات کا ثبوت پائے کہ جن اصولوں کو ہم حق سمجھتے ہیں حق کہتے ہیں وہ واقعی حق ہیں اور ان سے فی الواقع انسانی زندگی اعلیٰ و ارفع ہو جاتی ہے۔

پھر یہ بھی عرض کر دوں کہ اس شہادت کی تکمیل اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس وقت جب ایک اسٹیٹ انہی اصولوں پر قائم ہو جائے اور وہ پورے دین کو عمل میں لا کر اپنے عدل و انصاف سے، اپنے اصلاحی پروگرام سے، اپنے حسن انتظام سے، اپنے امن سے، اپنے باشندوں کی فلاح و بہبود سے، اپنے حکمرانوں کی نیک سیرت سے، اپنی صالح داخلی سیاست اپنی راستبازانہ خارجی پالیسی سے، اپنی شریفانہ جنگ سے اور اپنی وفادارانہ صلح سے ساری دنیا کے سامنے اس بات کی شہادت دے کہ جس دین نے اس اسٹیٹ کو جنم دیا وہ درحقیقت انسانی فلاح کا ضامن ہے اور اس کی پیروی میں نوع انسانی کی بھلائی ہے۔ یہ شہادت جب قولی شہادت کے ساتھ مل جائے تب وہ ذمہ داری پوری طرح ادا ہو جو امت مسلمہ پر ڈالی گئی ہے۔ تب نوع انسانی پر بالکل اتمام حجت ہو جاتا ہے۔ تب ہی امت اس قابل ہو سکتی ہے کہ آخرت کی عدالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کھڑی ہو کر شہادت دے سکے کہ جو کچھ حضورؐ نے ہم کو پہنچایا تھا وہ ہم نے لوگوں تک پہنچا دیا۔ اس پر بھی جو لوگ راہ راست پر نہ آئے وہ اپنی کج روی کے خود ذمہ دار ہیں۔

یہ تو وہ شہادت ہے جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں قول و عمل میں دینی چاہیے مگر اب دیکھیے کہ آج ہم فی الواقع شہادت دے کیا رہے ہیں۔

پہلے قولی شہادت کا جائزہ لیجیے۔ ہمارے اندر ایک بہت ہی قلیل گروہ ایسا کہیں انفرادی طور پر زبان و قلم سے اسلام کی شہادت دیتا ہے اور اس میں بھی ایسے لوگ

Marfat.com

گلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جو اس شہادت کو اس طرح ادا کر رہے ہیں جیسا کہ اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ اگر آپ اس قلیل تعداد کو الگ کر لیں تو آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی عام شہادت اسلام کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف جا رہی ہے

ہمارے زمیندار و کاشتکار یہ شہادت دے رہے ہیں کہ اسلام کا قانون وراثت غلط ہے اور جاہلیت کے رواج صحیح ہیں۔ ہمارے معلم۔ پروفیسر اور تعلیمی ادارے شہادت دے رہے ہیں کہ فلسفہ و حکومت، تاریخ و اجتماعیات، معاشیات و سیاسیات اور قانون و اخلاق کے متعلق وہی نظریات برحق ہیں جو غیر اسلامی تعلیم سے ماخوذ ہیں۔ ان امور میں اسلام کا نقطہ نظر قابل التفات تک نہیں۔ ہمارے تاجر و اہل صنعت شہادت دے رہے ہیں کہ ان کے پاس بھی قومیت و وطنیت کے وہی نعرے ہیں۔ وہی قومی مقاصد ہیں۔ قومی مسائل کو حل کرنے کے وہی ڈھنگ ہیں، سیاست اور دستور کے وہی اصول ہیں جو اسلامی نہیں ہیں جیسے اسلام نے اس بارے میں کوئی رہنمائی نہیں کی جس کی طرف رجوع کیا جائے۔ ہمارے عوام شہادت دے رہے ہیں کہ ان کے پاس زبان کا کوئی مصرف دنیا اور اس کے معاملات کے سوا نہیں ہے اور وہ کوئی ایسا دین رکھتے ہی نہیں جس کا وہ چرچا کریں یا جس کی باتوں میں وہ اپنا کچھ وقت صرف کریں۔ یہ ہے وہ قومی شہادت جو مجموعی طور پر ہماری امت اس ملک ہی میں نہیں ساری دنیا میں دے رہی ہے۔

اب عملی شہادت کی طرف آیئے۔ اس کا حال قولی شہادت سے بدتر ہے۔ بلاشبہ کہیں کہیں کچھ صالح افراد ہمارے اندر ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنی زندگی میں اسلام کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

مگر سوادِ اعظم کا حال کیا ہے؟

انفرادی طور پر عام مسلمان اپنے عمل میں اسلام کی جو نمائندگی کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام کے زیر اثر پرورش پانے والے افراد کس حیثیت سے بھی کفر کے تیار کیے ہوئے افراد سے

بلند یا مختلف نہیں ہیں بلکہ بہت سی حیثیتوں سے ان کی بہ نسبت فرد تر ہیں۔ وہ جھوٹ بول سکتے ہیں وہ خیانت کر سکتے ہیں۔ وہ ظلم کر سکتے ہیں۔ وہ دھوکا دے سکتے ہیں۔ وہ قول و قرار سے پھر سکتے ہیں۔ وہ چوری اور ڈاکہ زنی کر سکتے ہیں۔ وہ دنگا فساد کر سکتے ہیں۔ وہ بے غیرتی اور بے حیائی کے سارے کام کر سکتے ہیں۔ ان سب بداخلاقیوں میں ان کا اوسط کسی کافر قوم سے کم نہیں ہے۔

پھر ہماری معاشرت، ہمارا رہن سہن، ہمارے رسم و رواج، ہماری تقریبات، ہمارے میلے اور عرس، ہمارے جلسے اور جلوس، غرض ہماری اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں ہم اسلام کی کسی حد تک بھی صحیح نمائندگی کرتے ہوں۔ یہ چیز گویا اس بات کی زندہ شہادت ہے کہ اسلام کے پیرو خود ہی اپنے لیے اسلام کے بجائے جاہلیت کو زیادہ قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔

ہم مدرسے جاتے ہیں تو علم اور نظام تعلیم اور روح تعلیم سب کچھ دوسروں سے لیتے ہیں۔ ہم انجمنیں قائم کرتے ہیں تو مقصد، نظام اور طریق کار سب کچھ وہی رکھتے ہیں جو کفر کی کسی انجمن کا ہو سکتا ہے۔ ہماری پوری قوم بحیثیت مجموعی کوئی جدوجہد کرنے اٹھتی ہے تو اس کا مطالبہ، اس کی جدوجہد کا طریقہ، اس کی جمعیت کا دستور و نظام، اس کی تجویزیں، تقریریں اور بیانات، سب کچھ ہو بہو غیر مسلم قوموں کی جدوجہد کا چربہ ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ جہاں ہمارا آزاد یا نیم آزاد حکومتیں موجود ہیں وہاں بھی ہم نے اساس حکومت اور مجموعہ قوانین کفار سے لے لیا ہے۔

یہ کتمان حق اور غلط شہادت جس کا ہم ارتکاب کر رہے ہیں اس کا انجام بھی ہمیں وہ کچھ دیکھنا پڑا ہے جو ایسے سخت جرم کے لیے قانون الٰہی میں مقرر ہے۔ جب کوئی قوم خدا کی نعمت کو ٹھکراتی ہے اور اپنے خالق سے غداری کرتی ہے تو خدا دنیا میں بھی اس کو عذاب دیتا ہے اور آخرت میں بھی۔

Marfat.com

یہودیوں کے معاملے میں خدا کی یہ سنت پوری ہو چکی ہے۔ اور اب ہم مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔ خدا کو یہود سے کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی کہ وہ صرف انہی کو اس جرم کی سزا دیتا۔ اور ہماری ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں کہ ہم اسی جرم کا ارتکاب کریں اور سزا سے بچ جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم حق کی شہادت دینے میں جتنی جتنی کوتاہی کرتے گئے ہیں اور باطل کی شہادت ادا کرنے میں ہمارا قدم جس رفتار سے آگے بڑھا ہے ٹھیک اسی رفتار سے ہم گرتے چلے گئے ہیں۔ مشرق سے مغرب تک ملک کے ملک ہمارے ہاتھ سے نکل گئے۔ مسلمان قومیں ایک ایک کر کے مغلوب اور محکوم ہوتی چلی گئیں۔ مسلمان کا نام فخر و عزت کا نام نہ رہا بلکہ ذلت و مسکنت اور پسماندگی کا نشان بن گیا۔ دنیا میں ہماری کوئی آبرو باقی نہ رہی۔ کہیں ہمارا قتل عام ہوا، کہیں ہم گھر سے بے گھر کیے گئے۔ کہیں ہم کو سوء العذاب کا مزہ چکھایا گیا اور کہیں ہم کو چاکری اور خدمت گاری کے لیے زندہ رکھا گیا۔ جہاں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں باقی رہ گئیں وہاں بھی انہوں نے شکستوں پر شکستیں کھائیں اور آج ان کا حال یہ ہے کہ بیرونی طاقتوں کے خوف سے لرز رہے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اسلام کی قولی و عملی شہادت دینے والے ہوتے تو کفر کے علمبرداروں کے خوف سے کانپ رہے ہوتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دعوت لے کر اٹھے وہ اپنی نوعیت اور مزاج کے اعتبار سے ایک عالمگیر دعوت تھی جو سارے انسانوں کے لیے تھی۔ اس کے راستے میں کوئی جغرافیائی حدود حائل نہ تھیں۔ وہ کسی خاص علاقے کے لوگوں کو خطاب نہ کرتی تھی بلکہ تمام انسانوں کو خدا کے بندوں کی حیثیت سے دعوت بندگی دیتی تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کا عمومی انداز اور لب و لہجہ پوری بنی نوع انسان کو خطاب کرنے کا ہے۔ وہ کسی نسل یا علاقے کو خطاب نہیں کرتا۔

اگرچہ اسلامی دعوت ایک امی انسان کے ذریعے اٹھائی گئی اور اس دعوت نے جس قوم کو سب سے پہلے مخاطب کیا وہ خود بھی بڑی حد تک امی تھی۔ عرب لوگ علم و آگہی، فکر و نظر اور تحقیق و تدبر سے عاری تھے۔ لیکن اس دعوت نے انہیں علم حقیقی سے مالا مال کر دیا۔

Marfat.com

ان میں علم کا ذوق پیدا کیا۔ ان میں علم کی تحریک چلائی۔ مالک کائنات نے علم کا سب سے بڑا اور سب سے حقیقی سرچشمہ پوری انسانیت کے لیے ایک امی نبی کے ذریعے ہی منکشف کیا جس کے نتیجے مسلم قوم ہی دنیا میں علم کی سب سے بڑی علمبردار قوم بن کر اٹھی۔ دور جدید کے علوم وفنون کی تمام بلند و بالا عمارت مسلمانوں کی رکھی ہوئی علمی بنیادوں پر ہی اٹھائی گئی

پوری انسانی تاریخ میں پہلی بار اسلامی دعوت نے انسانوں کے درمیان رنگ، نسل، خاندان، علاقے اور زبان کی تفریق مٹا کر انہیں بنی آدم کی حیثیت سے برابری کی سطح پر لا کھڑا کیا۔

اس نوعیت کے امتیازات کو جو دنیا کے ہر معاشرے اور قوم میں رائج سکہ سمجھے جاتے تھے سب کو متروک کر دیا۔ اور تمام انسانوں کو انسانی سطح پر یکساں انسانی حقوق، عزت احترام، تحفظ، ملکیت اور ترقی کا حق دار قرار دیا۔

اس دعوت نے انسانی زندگی میں سادگی اور تفہیم دین اور عمل دین میں آسانی کی روش اختیار کی۔ تمام جاہلی تجاوزات کو اپنے پیروؤں کی زندگی سے خارج کر دیا۔ اور ان کے عقائد کو سادہ اور عام فہم بنا دیا۔

حصولِ علم اور فہم دین میں آسانی اور سہولت کا راستہ پیدا کیا۔ خدا اور بندوں کے درمیان جو رکاوٹیں کھڑی تھیں انہیں ہٹا دیا۔ اپنے اندر کوئی ایسا طبقہ پیدا ہونے کو سختی سے روکا جو بندے اور خدا کے درمیان بعض ناگزیر فرائض سرانجام دیتا ہو بلکہ ہر بندے کو خدا تک پہنچنے کے لیے صراط مستقیم دکھائی۔ اس دعوت نے انسانوں کو ان کے بے معنی رسوم و رواج کے بوجھوں سے ہلکا کیا۔ انہیں جکڑ قیدیوں کے شکنجوں سے نجات دلائی۔ انہیں ہلکا پھلکا طرز زندگی سکھایا۔

یہ دعوت انسان تک خدا کی ساری مرضیات اور مکمل پیغام ہدایت لے کر آئی۔ اس نے پہلے کی نازل شدہ تمام مقدس کتابوں کی تعلیمات کا نچوڑ اپنے اندر سمو کر اپنے آپ کو جامع ہدایت

Marfat.com

ثابت کیا اور مزید تعلیمات کو حالات و ضروریات کے مطابق داخل کر کے انسان کی مطلوبہ ہدایت کو کامل و مکمل کر دیا۔

اس دعوت نے انسانیت کی تاریخ میں پہلی بار کامل طور پر خدا کے دین کو پیش کیا۔ اور اسے عملی صورت میں جاری کر کے اس کا تکمیلی اور عملی نمونہ بھی دنیا کے سامنے رکھ دیا تاکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ اگر دنیا کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہو تو انسانوں کے درمیان سے فتنہ و فساد کا نام و نشان مٹ جائے۔

اسلام کی دعوت دین و دنیا کی یکجائی کی دعوت ہے۔ اس میں دین و سیاست علیحدہ نہیں ہیں۔ چنانچہ اس دعوت نے تاریخ انسانی میں پہلی بار حکمرانوں کے لیے صالحیت سے مشروط حکمرانی کا تصور پیش کیا۔ تمام انسانی تاریخ میں اس کے پہلے یہ تصور کہیں موجود نہ تھا کہ جب دنیا کے امور صالح حکمران دین کے مطالبات کے مطابق طے کرتے ہیں تو وہ دور انسانیت کا سنہری دور ہوتا ہے۔

حضورؐ کی دعوت اسلامی تمام تر اخلاقی قدروں کی حامل اور ان کی سختی کے ساتھ پابند دعوت تھی۔ نہ صرف اپنے دور ضعیف میں اس نے ہمیشہ اخلاقی حدود کی پابندی و پاس داری اور حفاظت کی بلکہ اپنے دور قوت و اقتدار میں بھی اس کے ذریعے اخلاقی قدریں ہی بحال اور محفوظ کیں۔ اس کے دور اقتدار میں کبھی کسی فرد یا جماعت نے کسی اخلاقی قدر کو پامال نہیں ہونے دیا بلکہ اپنے بدترین مخالفوں اور دشمنوں کے مقابلے میں بھی شدید اشتعال انگیز حالات کے اندر اخلاقی اقدار کا اہتمام و انصرام کیا۔ پوری تاریخ انسانی میں اخلاقیات کے تحفظ کے معاملے میں اس دعوت کو یہ منفرد مقام حاصل ہے۔

حضورؐ کی یہ اسلامی دعوت ایک نظریاتی اور اصولی دعوت تھی۔ اس میں کسی نوعیت کی عصبیت کا کوئی دخل نہ تھا۔ اس میں طبقاتی، لسانی، علاقائی اور وطنی امتیاز کو فوقیت حاصل نہ تھی۔ صرف نظریے کے معیار پر ہی جانچا تولا اور پرکھا جاتا تھا۔ نظریاتی اعتبار سے جو

شخص جس درجے میں ہوتا اسی درجے میں وہ دعوت و تحریک کے اندر اپنا مقام رکھتا تھا
اس نے اپنے نظام میں سرداریوں کا موروثی حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے
مال و دولت کا افتخار ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ اس نے غریبت اور عجمیت کی تمیز مٹا کر رکھ دی
یہ دعوت خالص نظریاتی بنیادوں پر اٹھی اور صنادید عرب کو سب سے زیادہ شکوہ یہی رہا کہ اس
میں ان کے پہلے سے بنے ہوئے فخر و افتخار کو مشتعل کرنے کی گنجائش موجود نہ رہی تھی۔ انہیں
رنج و غصہ تھا کہ اس دعوت میں بلالؓ و خبابؓ کو ابوسفیان، و عتبہ ایسے سرداروں سے زیادہ
درجہ حاصل تھا۔ حضورؐ کی اسلامی دعوت اپنے مزاج کے لحاظ سے ایک عمومی تبلیغی مزاج
رکھتی تھی اور اس کا کام مسلسل پھیلنا، بڑھنا اور نفوذ کرنا تھا۔ اسے تسلیم کرنے والوں نے
دعوت کو کسی جامد مجموعہ عقائد کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ ایک جامع انقلابی دعوت کی
حیثیت سے تسلیم کر کے انہوں نے اسے آگے پھیلانے کی کوشش کی۔

اس دعوت کو تسلیم کرنے والا ہر شخص بیک وقت مبلغ و داعی تھا اور اپنے اپنے دائرے
میں اشاعت دین کا کام کرتا تھا۔ چنانچہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی دعوت مسلسل پھیلتی رہی
لوگ اس کے لیے گھروں، کاروباروں اور عزیزوں کی محبتوں سے دستبردار ہوتے گئے۔ اور
دعوت کی محبت کو سینہ سے لگائے اس راستے پر آگے ہی آگے بڑھتے رہے جس طرف
یہ انہیں لے جانا چاہتی تھی۔

اس راستے میں نہ صرف مردوں نے بلکہ عورتوں نے بھی وہ مثالی ایثار و قربانی کا نقشہ
پیش کیا جو دعوت و تبلیغ کے میدان میں بالکل انوکھا تجربہ تھا اور مثالی حیثیت رکھتا تھا۔

بنی نوع انسان کے لیے امن و سکون اور فوز و فلاح کا واحد راستہ اللہ کا دیا ہوا
نظام زندگی ہے۔ جب دنیا میں فلاح انسانیت کا یہ نظام قائم نہ ہو اور ابن آدم صراط مستقیم
سے محروم بدنصیبی کی ٹھوکریں کھا رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اپنے بندوں کو صراط مستقیم دکھانے
کا انتظام کر دیتی ہے اور جب کبھی کوئی ایسی دعوت کسی قوم میں اللہ کے دین کا علم لے کر

Marfat.com

اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو وہ قوم آزمائش کی میزان میں تلنے کے لیے رکھ دی جاتی ہے۔ پھر اس دعوت کے ساتھ اس کے طرز عمل ہی پر اس قوم کے مستقبل کی درخشائی یا تاریکی کا انحصار ہوتا ہے۔ ایسی دعوت کے برپا ہو جانے کے بعد اس سے بے خبری، محرومی۔ اس سے بے نیازی اس کے مخالف افراد و اقوام کے لیے بدترین بدبختی ہوتی ہے۔ غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت تمام انبیاء کی دعوت کا نچوڑ اور خلاصہ تھی۔ اپنے چند نمایاں خدوخال رکھتی تھی۔ ان خدوخال اور نشان ہائے شناخت کو جاننا بڑا ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ دعوت دنیا کی تمام دعوتوں اور تحریکوں کے مقابلے میں اپنا نمایاں اور مخصوص کردار رکھتی ہے۔

اس لیے کہ مرد عورت ایک ریاست کی تشکیل کی طرف بھی اقدام کرتی ہے، ایک منظم اجتماعی معاشرے میں حاکمیت کا تصور اس کی ساری اجتماعی زندگی، اس کی تہذیب و ترقی، تعلیم و تربیت اور انفرادی و اجتماعی کردار کی صورت گری کرتا ہے۔

اسلامی دعوت درحقیقت اپنے خالص اور بے آمیز عقیدے سے اللہ کی حاکمیت کی علمبردار ہے۔ دنیا میں حاکمیت کے تمام تصورات میں یہ ایک انوکھا تصور ہے۔

پھر دنیا کی تمام دوسری تحریکیں حاکمیت کو مختلف خانوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ کوئی رنگ، نسل، قبیلہ، افراد، گروہ، زبان، جغرافیہ اور خاندان میں محدود کرتی ہے اور کوئی کسی خاص طبقہ کے ساتھ اسے منسلک کرتی ہے۔ لیکن اسلامی دعوت حاکمیت کو صرف خدا کے لیے وقف کر دینے کا اعلان کرتی ہے۔

سارے اختیارات کا سرچشمہ اللہ ہی کی ذات پاک ہے۔ اس کے قائم کردہ معاشرے میں بندوں کے لیے صرف نیابت کا مقام ہوتا ہے۔ سروری صرف اللہ ہی کی ذات کو زیب دیتی ہے۔ باقی سب دعویداران حاکمیت تبان آزادی ہیں۔

دعوت اسلامی میں حاکمیت کا مقام ایک بالاتر ذات اور مالک ہستی کے حوالے

Marfat.com

ہونے کے بعد احکام کے حصول اور اطاعت کے نظام کو مربوط کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ منصب رسالت، بندوں کے حقیقی بادشاہ اور حاکم اعلیٰ کا پیغام ان تک پہنچاتا ہے اور ان کے مالک کی مرضی سے ان کو آگاہ کرتا ہے۔

اس طرح رسول خدا کا نمائندہ ہوتا ہے جو وحی اور الہام کے ذریعے خدا سے پیغام حاصل کرتا ہے۔ اس لیے رسولؐ کی اطاعت ایمان کے لیے شرط اول قرار پاتی ہے۔ اس سے محبت رکھنا اور اس پر جان و مال قربان کر دینا ایمان کی شرائط میں شامل ہے۔

اس لیے رسول کی شخصی غیر موجودگی میں وہی شخص ایسی دعوت کا رہنما اور قائد ہو سکتا ہے جو خدا کے احکام اور رسول کے تعلیمات پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہو اور خدا اور رسول کے دیے ہوئے نظام زندگی کا سب سے بہتر فہم رکھتا ہو۔

دنیا میں حاکمیت الٰہی کا قیام و نفاذ اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول حضورؐ کی دعوت اسلامی کا نصب العین تھا۔ حضورؐ کی دعوت کے نزدیک انسانی زندگی کا خاتمہ قبر کے کنارے پر ہی نہیں ہو جاتا بلکہ وہاں سے تو انسانی زندگی کا دوسرا مستقل دور شروع ہوتا ہے، اس طرح اسلامی دعوت اپنے مقصد کی وسعت کے اعتبار سے دنیا سے آخرت تک محیط ہے۔

دنیا کی ہر اجماعیت میں عہدہ و منصب کی کشمکش انسانوں میں روز اول سے موجود ہے لیکن دنیا میں ایک اسلامی دعوت ہی ایسا واحد گروہ ہے جو مناصب کی کشمکش سے پاک اجتماعی نظام رکھتی ہے۔ حضورؐ کی جماعت میں منصب کی طلب نااہلی کی علامت اور خدا کی تائید سے محروم کر دینے والی نحوست سمجھی جاتی ہے۔ وہاں کہنی مار کر آگے بڑھنے والوں کے لیے کوئی مقام نہیں۔

وہاں قربانی کرنے والوں اور سابقون الاولون کی قدر و قیمت ہے۔ وہاں مسجد میں خدا کے حضور صف بندی کا ماحول تھا۔ جو پہلے آیا، پاکیزگی قلب لے کر آیا وہ آگے کھڑا ہو گیا

اور جو بعد میں آیا وہ پیچھے کھڑا ہوا۔ پھر اپنی اخلاقی صفات کے روز سے ترقی کر کے چاہے وہ تحریک کی سربراہی کے مقام تک جا پہنچے۔

آپؐ کی جماعت میں وہ شخص سب سے زیادہ غیر موزوں اور تحریک کی روح کو برباد کر دینے والا شمار ہوتا تھا جو منصب کی خواہش طلب رکھتا تھا۔ اس جماعت کا اجتماعی ماحول گروہ بندی، جتھہ بندی اور جوڑ توڑ سے بالکل صاف تھا۔

حضورؐ کی دعوت اسلامی کا رہنما کردار خدا ترس، ایثار پیشہ، دیانت دارانہ اور مجاہدانہ کردار تھا۔ آپؐ کی جماعت میں چرب زبانی اور کھوکھلے دعوے سے کام نہیں چلتا تھا بلکہ اللہ کی راہ میں ٹھوس کام مطلوب ہوتا تھا۔ آپؐ کی دعوت اسلامی کا راہنما کردار عزیمت کا پیکر تھا۔ اس کی نگاہ اپنے بلند ترین نصب العین کے حصول پر جمی رہتی تھی۔ درمیانی مراحل کی کوئی مصیبت یا کسی دنیوی منصب کا لالچ نہ اسے اپنے مقام عزیمت سے ہٹا سکتا تھا اور نہ الجھا سکتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت کا طریق کار پرامن، تبلیغی، غیر خفیہ اور تدریجی تھا۔ آپؐ کی دعوت معاشرے میں فساد پیدا کرنے کے لیے نہیں تھی بلکہ وہ فساد کو اصلاح سے بدلنے کے لیے تھی۔ وہ لوگوں کو تبلیغ و تلقین سے اپنے نصب العین کی طرف بلاتی تھی۔

آپؐ کی دعوت میں جبر و تشدد کا شائبہ بھی نہ تھا۔ آپؐ لوگوں کی طرف سے ایک ایک سوال کا جواب دیتے اور شبے کا ازالہ کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ افہام تفہیم اور اپنی سوچ بچار سے خود آتے ہوئے لوگ جب پورے اطمینان سے کرتے تھے تو ان کو واپس لوٹانا ممکن نہ ہوتا تھا۔

یہ اسی طریقہ کار کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کی ۲۳ سالہ دعوتی جدوجہد کے نتیجے میں جو اسلامی انقلاب برپا ہوا وہ حیرت انگیز انسانی اور اخلاقی انقلاب تھا۔

حضورؐ کا کلی دور اس پر گواہ ہے کہ آپ مخالفین کے مقابلے میں کتنا صابرانہ طرزِ عمل اختیار کیا جب کہ مدنی زندگی کی مجاہدانہ کشمکش اس پر گواہ ہے کہ مخالفین کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ کتنا فراخدلانہ اور ہمدردانہ تھا۔

آپؐ کی اسلامی تحریک کا اپنے مخالفین کے مقابلے میں طرزِ عمل دنیا بھر سے انوکھا طرزِ عمل تھا۔ اور بالعموم یہ طرزِ عمل ہی لوگوں کے لیے آپؐ کی حقانیت کی شناخت بن گیا تھا۔

آپؐ کے مخالفین آپؐ کو بدنام کرنے کے لیے الزامات، اتہامات، جھوٹ و افترا اور گالی گلوچ کا طوفان کھڑا کرتے تھے لیکن اس سارے گرد و غبار میں اس تحریک کے داعیوں کی شرافت اور ان کا بلند کردار تحریک کے چہرے کی چمک دمک کو اور نکھارتا چلا گیا۔ حضور اکرمؐ کی قائم کردہ تحریک اسلامی جن تنظیمی اصولوں پر قائم تھی وہ اجتماعیت کو منظم کرنے کے لیے بے مثل اصول تھے۔ ان کی موجودگی میں آپؐ کی دعوت ایک فعال اور صحت مند اجتماعی ادارہ بن گئی تھی جو اپنی منزل کی طرف مسلسل اقدام کرتی چلی جا رہی تھی۔ اور جس کا لازمی نتیجہ انقلابی تبدیلی اور فتح و نصرت ہی ہو سکتا تھا۔

آپ کی اسلامی تنظیم کا سب سے پہلا اصول سمع و اطاعت تھا۔ آپ کی تحریک سے وابستہ ہر شخص دعوتِ اسلامی کے ہر کام کو خدا کا کام سمجھتا تھا۔ اس کا دوسرا اصول مشورائیت تھا جو سمع و اطاعت کے لیے مددگار تھا۔ اس کے ذریعے مشورے، اہتمام و انتظام جماعت کے ہر گوشے میں ہر سطح پر کیا جاتا تھا تاکہ اجتماعی ذمہ داری کا کام اجتماعی رائے سے انجام پائے۔

اس کا تیسرا اصول باہمی خیر خواہی تھا یعنی ایک زندہ، ہمدردانہ اور صحت مند رجحان تعاون جو جماعت کی صحت کو بحال رکھتا اور اس کے تمام ساتھیوں کو خوب سے خوب تر کی طرف کھینچتا رہتا۔ اس کا چوتھا اصول باہمی محبت و اخوت و تعاون تھا جو اسلامی تحریک کی جان تھا

Marfat.com

جس کی مدد سے غیر اپنے اور مخالف دوست بن جاتے تھے اور تھوڑی سی قوت بھی باہمی تعاون ومحبت سے کئی گنا ہو جاتی تھی۔ اس کا پانچواں اصول ایثار وقربانی تھا۔ یعنی مقصد زندگی اور ساتھیوں کے لیے جانثار کرنا۔ اور خدا اور رسول کی رضا کے لیے تن من دھن سے نچھاور ہونا اس ایثار وقربانی کی مقدار ہی ایک کارکن کے خلوص کا پیمانہ بن جاتی تھی۔

پوری قوم ایک طرف تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری قوم کے مقابل دوسری طرف تھے جو دعوت آپؐ نے پیش کرنی شروع کی وہ پوری قوم کے سارے ڈھانچے کو ادھیڑ کر اسے از سر نو استوار کرنے والی تھی۔

اس دعوت کے ذریعے پورے معاشرے کی قدریں بدلی جا رہی تھیں خیر وشر کے پیمانے منقلب ہو رہے تھے۔ معیارات قیادت وراہنمائی تبدیل ہو رہے تھے۔ نفع ونقصان کی میزان بدل رہی تھی۔ دعوت اسلامی کا مسئلہ صرف چند مذہبی تصورات میں تھوڑی سی تبدیلی لانے کا ہی معاملہ نہ تھا بلکہ یہ تو ہمہ پہلو، ہمہ جہت اور کلی تبدیلی کا مسئلہ تھا لیکن کلی انقلابی دعوت کو نظامِ باطل کے چوکیدار برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ لوگ جو سیاسی اور معاشرتی مفادات کے محافظ تھے اور ان کے لیے اس دعوت کو ہضم کرنا سخت مشکل تھا۔ اس دعوت کو برداشت کرنے کے معنی اپنی سابقہ حاصل کردہ سیادتوں، قیادتوں اور محفوظ مفادات سے دستبرداری اور محرومی تھی۔ شدید مخالفانہ یلغار شروع ہو گئی حق وباطل کی چپقلش۔

کفار کی ریشہ دوانیاں آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اپنی موت سے کھیلنے والی بات تھی اس کے باوجود اتنی بڑی مخالفت اور عداوت کے مقابلہ کے لیے حضورؐ کے پاس تین ایسے انقلاب انگیز حربے تھے جن کا مخالفین کے پاس کوئی توڑ نہ تھا۔ یہ تھے معجزۂ کردار، معجزۂ قرآن اور معجزۂ کلام۔ آپؐ کے کلام کی حلاوت، اس کی جامعیت اور اس کا اعجاز عالم احساس میں زبردست ارتعاش پیدا کر دیتا تھا۔ آپؐ کی زبان سے جو بات نکلتی تھی وہ بات کلام حبیب خدا ہوتی تھی۔ گفتگو میں حضورؐ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے اور اس ٹھہراؤ

Marfat.com

میں رعنائی و دلنوازی ہوتی تھی تاکہ لوگ ایک ایک لفظ سُن لیں۔ سمجھ لیں۔ یاد کر لیں۔

آپ کے الفاظ منتخب و موزوں ترین ہوتے تھے۔ نگینوں کی طرح جڑے ہوتے

آپ اپنے مخالف کو پورے اطمینان سے بات کرنے کا موقعہ دیتے اور اس کی بات اس وقت تک پوری توجہ و انہماک سے سنتے رہتے جب تک وہ اپنی بات بیان کرنا چاہتا اور پھر جواباً اپنی بات بھی حضورؐ نہایت اطمینان سے کہتے۔

آپؐ کے جامع اقوال زریں جو جوامع الکلم کہلاتے ہیں۔ حیرت انگیز جاذبیت اور معنویت کے حامل ہیں۔ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے مسلک زندگی کے بارے میں سوال کیا تو حضورؐ نے فرمایا۔

عرفان میرا سرمایہ ہے۔
عقل میرے دین کی اصل ہے۔
محبت میری بنیاد ہے۔
شوق میری سواری ہے۔
ذکر الٰہی میرا مونس ہے۔
اعتماد میرا خزانہ ہے۔
حزن میرا رفیق ہے۔
علم میرا ہتھیار ہے۔
صبر میرا لباس ہے۔
رضائے الٰہی میری غنیمت ہے۔
عجز میرا فخر ہے۔
زہد میرا روزگار ہے۔
یقین میری قوت ہے۔

Marfat.com

صدق میری سفارش ہے۔
جہاد میرا کردار ہے۔
طاعت میری پناہ ہے۔
نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلامی انقلاب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ انقلاب سہ نکاتی فارمولے پر مبنی دکھائی دیتا ہے۔ فرد میں اخلاقی انقلاب اور اسے ایک نئے انسان کے روحانی قالب میں ڈھال دینا۔ ایک ایسے خدا ترس، خدا رسیدہ اور با اخلاق گروہ کی تیاری جو جری، جانباز اور جفاکش ہو۔ جو ایثار و قربانی کا پتلا ہو اور اسے باطل کے مقابلے میں جس مورچے پر بھی کھڑا کر دیا جائے وہ کٹ تو سکتا ہے لیکن اپنے مقام سے ہٹ نہ سکتا ہو۔ جو خدا کی راہ میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہو۔ فائدہ انقلاب نے اپنی ساری ساعی ایسے گروہ کی تعلیم و تربیت پر صرف کر دی۔ جسے جس چیز کا حکم دیا جائے وہ اس کو اختیار کرے اور جس سے منع کر دیا جائے وہ اسے چھوڑ دے جو ہر نوعیت کی عصبیتوں سے بالاتر صرف اصول و نظریات کا علمبردار گروہ ہو۔ جب ایسا گروہ مناسب حد تک تیار ہو جائے تو باطل کے نظام سے جانگسل انقلابی کشمکش برپا کر دے اور اس کے پورے وجود کے خلاف جہاد مسلسل کرے یہاں تک کہ باطل کی قوت کے منبع پر خدا پرستوں کا قبضہ ہو جائے۔ اور دین سارے کا سارا صرف بادشاہ حقیقی، حکمران اعلیٰ یعنی ذات باری تعالیٰ کے لیے وقف ہو جائے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی مدعی حاکمیت و حکومت باقی نہ رہ جائے۔

یہ وہ سیدھا سادا انقلابی فارمولا ہے جو شب معراج خدا نے اپنے حبیب کو دیا وقت آگیا تھا کہ حضورؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جائیں اور وہاں ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آئے۔ خدا نے اپنے حبیب کو خلوت خاص میں بلا کر وہ سیاسی

Marfat.com

نکات حضورؐ کو بتائے جن پر عمل کیے بغیر اسلامی ریاست کا قیام و استحکام ممکن نہ تھا۔ اس سیاحت لامکانی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ خلوت خاص میں راز و نیاز مقصود تھا اور دوسرا پہلو یہ کہ پولیٹکل سائنس کے چند اہم متعلقہ رموز سے آنحضورؐ کو آگاہ کر دیا جائے کہ دین سیاست روحانی سے الگ نہیں ہے۔

Marfat.com

سائنس اور مذہب

سائنس کا مقصد یہ ہے کہ جس دنیا میں ہم آباد ہیں اس کی مجموعی طور پر وضاحت کرے۔ اور اس کے مختلف حصوں کی علیحدہ علیحدہ تشریح بھی کرے لہٰذا ایک سائنس دان کے لیے لازم ہے کہ وہ فطرت کی ہم آہنگی پر ایمان رکھے۔ اسے یقین ہونا چاہیے کہ جو قوانین اس نے زمین پر دریافت کر لیے ہیں وہ دراصل آفاقی قانون ہیں۔ اسی عقیدے کی بدولت نیوٹن نے سیب کو درخت پر سے گرتے ہوئے دیکھا۔ اس کا تعلق سیاروں کی سورج کے گرد گردش سے پیدا کیا اور ایک عالمی قانون دریافت کر لیا۔ یہ عالمی قانون اصول تجاذب ہے کہ دنیا کی ہر شے دوسری شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ نیوٹن نے کہا ؎

"ہر وہ قدم جو انسان حقیقت کی تلاش کی جانب اٹھاتا ہے، سائنس ہے"

انیسویں صدی میں اورسٹیڈ (OERSTEAI) اور فیریڈے (FARADAY) کے تجربوں نے ثابت کر دیا کہ سائنس کا نصب العین مادی کائنات کے گوناگوں مظاہر کو کم سے کم اصولوں اور کلیتوں کی صورت میں پیش کرنا ہے۔ اور اگر ساری کائنات کی تشریح ایک ہی کلیتے کے ذریعے ممکن ہو جاتے۔ گویا کثرت میں وحدت کا سراغ مل جاتے تو یہ سائنس کی ترقی کی معراج ہو گی۔

ارسطو ——— جس کی طبعی سائنس دو ہزار برس مغربی فکر پر مسلط رہی اس بات پر اعتقاد رکھتا تھا کہ امور متعارفہ (AXIOMS) یعنی ایسے واضح

Marfat.com

حقائق جن کے ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی، سے استدلال کا آغاز کر کے انسان حقیقت کی انتہا کو سمجھ سکتا ہے۔

ارسطو کی سائنس کا مقصد واقعات کی وجہ معلوم کرنا تھا یعنی چیزیں کیوں ہوتی ہیں؟ جدید سائنس نے اُس وقت جنم لیا جب گلیلیو نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ واقعات کیونکر ہوتے ہیں؟

یہیں سے باضابطہ اور خود اختیار تجربوں کے طریق کار کا آغاز ہوا اور یہی طریقہ آج کل سائنسی تحقیق کی بنیاد ہے۔

گلیلیو اور اُس کے ایک قرن بعد نیوٹن کے انکشافات کی بدولت ایک ایسا جہاں منظر پر آیا جس میں قوتوں، لہروں، دباؤ، تناؤ اور ارتعاشات کی کارفرمائی تھی اور یہ گمان ہونے لگا کہ فطرت کا کوئی مظہر ایسا نہیں جس کی تشریح کسی عام تجربے کی روشنی میں جس کی وضاحت کسی ماڈل سے یا جس کی پیش گوئی نیوٹن کے کسی حیرت انگیز میکانکی کلیے سے نہیں کی جا سکتی۔

آئن سٹائن سے پہلے عام طور پر کائنات کی یہ تصویر پیش کی جاتی تھی کہ یہ مادے کا ایک جزیرہ ہے، جو فضا کے لامتناہی سمندر کے وسط میں تیر رہا ہے۔ اس تصور کو مان لینے کے کئی اسباب تھے۔ اکثر سائنس دان متفق تھے کہ فضا کا لامتناہی ہونا لازمی امر ہے اس لیے کہ جونہی وہ یہ بات تسلیم کر لیں کہ فضا کہیں نہ کہیں ختم ہوتی ہے تو فوراً یہ پریشان کن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے آگے کیا ہے؟

لیکن نیوٹن کا قانون ایسی کائنات کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو لامتناہی ہے اور جس میں مادہ یکساں طور پر پھیلا ہوا ہے کیونکہ اس صورت میں لاانتہا تک پھیلے ہوئے تمام مادی اجسام کی کل تجاذبی قوت لامتناہی ہوگی اور افلاک لامتناہی روشنی سے جگمگاتے ہوں گے۔

اس کے علاوہ انسان کی کمزور آنکھوں کو یوں نظر آتا تھا کہ کہکشاں کے کنارے

سے آگے کے فضائی چراغ دور دور ہوتے جاتے ہیں اور گھٹتے گھٹتے ان کی حیثیت روشنی کے تنہا میناروں کی سی رہ جاتی ہے جو فضائے بسیط میں دھیمی دھیمی روشنی سے جل رہے ہوں لیکن کائنات کو جزیرہ تصور کر لینے سے بھی مشکلات درپیش ہوئیں۔

قرآنی اصطلاح میں سائنس کا اصل موضوع بحث و تحقیق صرف عالم شہادت یا اصطلاح فلسفہ عالم مشاہدات و مظاہر (PHENOMENA) ہے۔ باقی اس عالم شہادت یا مظاہر کے پس پردہ کیا حقیقت چھپی ہوئی کارفرما ہے۔ یہ انسانی علوم میں فلسفہ خصوصاً فلسفہ مابعد الطبیعات کا دائرہ بحث رہا ہے۔ اس دائرہ میں انسانی عقل و منطق کو رہنمائی چار و ناچار سائنس ہی کے مطالعہ و مشاہدہ سے حاصل کرنا پڑتی ہے۔ جو نوعی طور پر دو مختلف بلکہ متضاد صورتوں کے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو ہم خود اپنی ذات و ذہن سے بظاہر بالکل باہر ایک خارجی مکان و زماں کی لامحدود وسعتوں میں ان گنت گوناگوں رنگ و روپ، ہیئت و صورت اور قد و قامت کی جاندار و بے جان جسمانی صورتوں میں زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا پاتے ہیں۔ کچھ ان جسمانی موجودات کا گویا آنکھوں دیکھا خارجی وجود اور بہت کچھ اپنی زندگی کی ہر روز کی حاجتوں کی ان سے وابستگی کی بنا پر یہ خارجی دنیا اور اس کی اہمیت ہماری نظروں میں اتنی کھپ جاتی ہے کہ اس مقابلہ میں خود اپنی ذات و ذہن کی داخلی دنیا کی کسی اہمیت و معنویت کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ جیسے بچوں کو اپنے وجود کا شعوری احساس تک نہیں ہوتا۔ بس کھیل تماشے ہی کی دھن سوار رہتی ہے۔ یہی کیفیت مدتوں تک سائنسی فکر و تحقیق والوں کی ایک جماعت کی بھی رہی۔ وہ عظیم و مہیب اجرام سماوی کی انتہاء کائنات ہی میں ٹکٹکوے کھاتے رہے۔ کسی نے اسے ابتدائی ہیولے کا نام دیا۔ کوئی اسے ذرات کا ذراتی طلسم سمجھتا رہا۔ اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ۔

لیکن مادہ کا یہ فلسفہ قدیم و جدید فلسفہ کی سرزمین میں زیادہ نہ پنپ پایا۔ اور انیسویں صدی کے اواخر میں سائنس نے ایسا پلٹا کھایا کہ بڑے سے بڑے رجال سائنس سائنسی

Marfat.com

تحقیقات واکتشافات کی راہوں پر چلتے ہوتے منکر مادہ ہو گئے۔ برٹرنڈ رسل نے کہا۔

"مادہ بالکل ایک ایسا بھوت بن کر رہ گیا ہے جو ذہن کو ہانکنے کا کوئی ٹھیک ڈنڈا نہیں بن سکتا۔

بیسویں صدی کی سائنس سے پہلے مسلسل دو تین صدیوں تک سائنس پر مادیت ہی کا بھوت سوار رہا لیکن دور حاضر کے عین جدید ترین سائنسی انقلابات و مسلمات نے مادیت کی اس منطق کو بالکل الٹ دیا ہے۔ البرٹ آئن سٹائن، ایڈنگٹن، ہسرو رنگر اور میکس پلانک جیسے عظیم رجال سائنس کے نزدیک کائنات کی اساسی حقیقت مادہ نہیں بلکہ خدا ہے ان سب ہی نے مذہب کے خدا کو سامنے لا کھڑا کیا ہے۔

ان ہی مشاہیر سائنس کے ہمسر جیمز جینز کو تو سب سے بڑے مادہ و مادیت شکن فلسفی برکلے کا ہمزبان ہو کر ذہن و شعور کی اس اساسی حقیقت کائنات کو واحد کلی و کائناتی ذہن (UNIVERSAL MIND) کا نام دینا پڑا ہے۔

اس ضمن میں ایڈنگٹن جیسے بہت بڑے سائنس دان نے کہا۔

"اہل مغرب کے لیے اطمینان کی سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ میں ان کو کوانٹم نظریہ کی وحی کا عطا کیا ہوا خدا نہیں دے رہا ہوں"۔

پرانے متکلمین عموماً یونانی علوم و افکار سے اتنے متاثر و مرعوب رہے کہ گویا ان کو بجائے خود معیاری حقائق تصور کرتے رہے اور وحی کے ایمانی حقائق کو ان کی کسوٹی پر پرکھتے رہے لیکن آج ان کو یہ کہنا پڑا ہے کہ مادی کائنات کے زیادہ گہرے مطالعہ و فہم نے خدا پر ایمان کے نئے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔ اب ماہر طبیعات کا مقصد ظواہر (APPEARANCE WORLD) کے پیچھے حقیقی وجود (REAL EXISTENCE) کو معلوم کرنا ہے۔ سائنسی نظریات کی نوعیت اب عقیدہ یا مسلکوں (REEDS) کے بجائے پالیسیوں کی ہو کر رہ گئی ہے جن

Marfat.com

معنی ہیں مذہب و سائنس میں مصالحت۔ برنہارڈ نے جدید طبیعات پر اپنی کتاب کا نام ہی رکھ دیا "سائنس مذہب کے راستے پر"

(MODERN SCIENCE ON THE RELIGION)

یہی وہ سب سے بڑا عصر حاضر کا سائنسی انقلاب ہے جس نے سائنس کو چار و ناچار مذہب کے راستہ پر ڈال دیا ہے۔ جو منطقی طور پر وحی و نبوت اور معراج کے ایمان اعتقاد ہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے ماہرین سائنس تک کو بے ذہن و زندگی مادہ کے مقابلہ میں ذہن و شعور ہی کو کائنات کی اساسی حقیقت ماننا پڑا ہے۔ البرٹ آئن سٹائن اور میکس پلانک جن کو ان کے نظریہ اضافیت اور کوانٹم نظریہ کی بنا پر سب سے عظیم انقلاب انگیز سائنس دان مانا جاتا ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق وجود ہمارے جزئی و انفرادی ناقص و فانی ذہن سے بالاتر ہے۔ جب کہ

——— اس کی ذات و صفات اور اس کی پیدا کی ہوئی اس کائنات اور اس میں انسان کے مقصد و مقام کے غیبوں کا قابل اعتماد علم وہی اور اتنا ہی ہوگا جو اور جتنا خود وہ کسی ذریعہ سے دے دے۔ مذہب کی زبان میں اسی ذریعہ و واسطہ کا نام وحی و نبوت اور معراج ہے۔

خود سائنس کے پاس نہ اب نام نہاد مادہ کا کوئی خارجی وجود رہا ہے نہ زمان و مکاں کا۔ جدید ہے کہ زمانہ یا وقت کے بے آغاز (BEGININGLESS) ہونے تک کو چیلنج کیا جا چکا ہے۔ یعنی کوئی زمانہ ایسا بھی تھا کہ خود زمانہ ہی سرے سے نہ پایا جاتا تھا۔ بات پتہ کی اور لے دے کر سمجھ میں آنے والی وہی ہے کہ یہ ذہن سے باہر خارجی موجودات بھی بس یا تو سراسر ہمارے ذہن کی تجریدات ہیں یا پھر ان کا مستقل ازلی و ابدی وجود۔ کسی ازلی و ابدی وجود یقول سر جیمز جینز عالمگیر کائناتی ذہن یا بقول بسکلے برتر روح یا خدا میں ہے۔

برکلے جیسے تاریخ ساز فلسفی نے اپنے بعد کے فلسفہ کا رُخ مادیت سے بالکلیہ تصوریت (IDLEALISM) کی طرف موڑ دیا حتیٰ کہ اس کے فلسفہ کے منکر بھی اس کو تاریخ فلسفہ سے الگ نہیں کر سکتے۔ وہ بجائے خود ایک مذہبی آدمی ہی نہیں بلکہ پیشہ برکلے تھا۔ اسی طرح آج کی سائنس کا صف اول کا نامور جیمز جینز بھی مذہبی تھا جس نے کھل کر اعتراف کیا کہ خود سائنسی راہوں سے مجھ کو کائناتی ذہن کے نتیجہ تک پہنچنا پڑا ہے۔ بڑے بڑے اکابر و مشاہیر سائنس کو اسی پر قناعت کرنا پڑا ہے کہ بس ہمارے پاس کچھ واقعات بلکہ وقوعات یا عام تعبیریں مشاہدات اور ان کے درمیان روابط و علائق اور مساواتوں (EQUATIONS) کے علم کے سوا کچھ نہیں۔

تاریخ فلسفہ خود مادہ کی سر سے قائل ہی نہ تھی اور سب سے بڑھ کر جدید فلسفہ برکلے کی طرف سے ایسے وضع دلائل پر مبنی تھا کہ فلسفہ کی دنیا میں مادیت (MATERIALISM) کا مسلک بڑی حد تک دھندلا کر فلسفہ کی جدید تاریخ میں زیادہ تر تصوریت (IDEALIS) کی تاریخ بن کر رہ گیا۔ خاص کر موجودہ صدی کے سائنسی خصوصاً طبیعاتی اکتشافات مثلاً نظریہ اضافیت کے کوانٹم نظریہ کے انقلابی زلزلے نے سائنس کے پرانے مادی نقشۂ کائنات کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔

ڈیکارٹ اپنی طالب علمی کے زمانے ہی سے اس قدر متوحش و بدگمان تھا کہ اپنی رہنمائی کے لیے علم و یقین کی کوئی ایسی راہ پا لینا چاہتا تھا جو مشکوکات و شبہات کی تاریکی میں مستور نہ ہو۔ اور جس کو وہ نقطہ آغاز بنا کر اپنی منزل کی طرف گامزن رہے۔ اس نے اپنا اصول ہی ہی یہ قرار دے لیا کہ کسی بات کو اس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تک وہ میرے ذہن کے لیے اس درجہ واضح اور غیر مشتبہ نہ ہو کہ اس میں کسی طرح شک کرنا ممکن ہی نہ ہو۔ اس کی شک پسندی نے اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ محسوسات و مشاہدات سے گزر کر ریاضیاتی براہین کو مشکوک و مشتبہ ٹھہرا لیا کہ شوپنہار کو اس کے بارے میں یہ کہنا پڑا۔

Marfat.com

"وہ تمام مسلمات کو مشکوک سمجھ کر شروع سے شروع کرنا چاہتا ہے"

جب کہ شوپنہار کا اپنے محسوسات و مشاہدات کے بارے میں یہ خیال تھا کہ ہماری نام نہاد بیداری کی پوری زندگی اور زمین سے آسمان تک بظاہر سارے خارج از ذہن موجودات محض ایک طویل خواب ہوں اور خود خواب دیکھنے والے ذہن سے باہر ان کا سرے سے کوئی وجود نہ ہو۔

اس سے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی ہے۔

الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا۔

لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے بیدار ہوں گے۔

فلسفہ و سائنس کی ایک اور قد آور شخصیت وہائٹ ہیڈ (WHITE HEAD) ہے۔ اس کی کتاب "سائنس اور جدید دنیا" (SCIENCE AND THE MODERN WORLD) سائنس و فلسفہ کے موضوع پر ایک بڑی اہم کتاب ہے جو مذہب اور فن کی بھی از سر نو تجدید و تعبیر کرتی ہے۔ وہائٹ ہیڈ کہتا ہے۔

"قدیم دنیا کا ڈرامہ خارجی کائنات تھا اور جدید دنیا کا ڈرامہ روح ہے"

خارجی دنیا کے دیگر مادی مظاہر و اجسام کا ذکر ہی کیا۔ سب سے پہلے خود اپنے ہی جسم کو لیں۔ اور برٹنڈ رسل (BERTRAND RUSSEL) جیسے فلسفی و سائنس دان کی زبان سے سنیں۔

"طبیعات کی رو سے آج جو کچھ ہم کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس کو اب تک ہم اپنا جسم کہتے یا سمجھتے آئے ہیں۔ وہ دراصل بڑی دیدہ ریزی سے بنائی ہوتی صرف ایک ایسی سائنسی تشکیل ہے۔ جس کے مطابق کوئی واقعی طبیعاتی حقیقت بجائے خود پائی نہیں جاتی"

ایڈنگٹن اپنی کتاب "سائنس اور نادیدہ دنیا" میں کہتا ہے۔

"مادیت یا مادہ پرستی اپنے لفظی معنی میں مدت ہوئی مر چکی ہے۔ آج کل دنیا میں ہر چیز کو مادہ کے مظاہر (MANIFESTATIONS) میں تحلیل یا تحویل کرنے کا رجحان نہیں رہا۔ کیونکہ طبیعات کی دنیا میں مادہ اب بہت گھٹیا درجہ کی چیز رہ گئی ہے۔"

(مذہب اور سائنس۔ مولانا عبدالباری ندوی)

بہر حال جہاں تک خالص فلسفہ کا تعلق ہے۔ اس کی پوری تاریخ میں نئی ہو یا پرانی مادیت کے سر اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ پورے زور و شور کے ساتھ کھل کر سامنے آنے کا موقع مادیت کو گزشتہ انیسویں صدی کے دوران جدید سائنسی ترقیوں کے سنجیدہ عنفوان شباب کی جلد بازی میں مل گیا تھا جس کے نتیجہ میں اس طرح کی بے باکانہ باتیں بعض اکابرین سائنس کی زبانوں سے نکل گئی تھیں۔

(مذہب و عقلیات)

پھر سائنسی نظریات نے کم و بیش لوگوں کے ذہنوں کو سائنسی ایجادات و اکتشافات سے مرعوب و متاثر کیا۔ ریل، تار، بجلی، بھاپ وغیرہ کے کارنامے اچھے اچھوں کی عقل کو خراب کر دینے کے لیے کافی تھے۔ اس سے بڑھ کر سائنس نے زمین کو ناپ تول کر اس کا طول و عرض اور وزن معلوم کر لیا۔ روشنی کی شرح رفتار بتا دی۔ زماں و مکاں کی گتھیوں کو کسی حد تک سلجھایا۔ مریخ میں دریاؤں، پہاڑوں، آبادیوں اور بہتر از زمین مخلوق کی نشاندہی کر دی۔ یہاں تک کہ انسان چاند میں اتر گیا۔ اس کے باوجود سائنس کو کہنا پڑا کہ یہ سب کسی ایسے وجود ارفع و اعلیٰ کی کرشمہ سازیاں ہیں جو احساس و ادراک کرنے والے ذہنوں سے باہر ہے۔ غرض آج کی سائنس فزکس کو چار و ناچار جس مابعد الطبیعات یا فلسفہ کی راہوں سے دوچار ہونا پڑا اس کو مادیت کے بجائے روحانیت، تصوریت، یا ذہنیت (MENTATLISM) کہا ہے۔

قرآن حکیم پوری کائنات کو "آیات اللہ" کہتا ہے۔ بالآخر سائنس کو بھی وہی کچھ کہنا پڑا۔

کیونکہ آپ دگل کی اس محسوس و مادّی نا سوتی دنیا سے خود ہمارا سائنسی ذہن قطعی سائنس کی ایک آیاتی یا علاماتی ((SYMBOLIC)) دنیا تعمیر کر لیتا ہے۔ آیاتی اس لیے کہ سائنس کے الیکٹرون و پروٹون وغیرہ سب کے سب کچھ ایسی اشیاء کے اصطلاحی نام یا اسماء ہوتے ہیں جن کی نیچر تو نامعلوم ہی رہتی ہے لیکن جن کے ریاضیاتی پہلو ((ASPECTS)) ان اصطلاحوں کی تعریف سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور یہ آیات یا علامات اسی طرح ایک نامعلوم شے کو ظاہر کرتی ہیں جس طرح الجبرے میں ب، ج وغیرہ کوئی حرف ایک نامعلوم مقدار بطور علامت دلالت کرتا ہے۔

فزکس میں جن موجودات یا ذرات ((ENTITIES)) کو قوت (فورس) کمیت (ماس) وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ ان کو اب عام طور پر آیات یا علامت ہی مانا جاتا ہے یعنی وہ کسی ایسی ذات و حقیقت کے مختلف رُخ ہوتے ہیں جن کی بجائے خود حقیقت نامعلوم ہے علمائے طبیعات اب اس واقعہ کا شعور و احساس رکھتے ہیں کہ طبیعات ایک وسیع تر حقیقت کا محض ایک جزوی رُخ ہے۔

ان آیات و علامات کے ان سائنسی تغیرات سے قرآنی اصطلاحات "تعلیم اسما" (علی لاسماء کلھا) اور کائنات کی موجودات کو اللہ تعالیٰ کے وجود کی آیات یا نشانیاں اور رخ یا وجہ (اینما تولوا فثم وجہ اللہ) کی ایک جدید سائنسی تفسیر کی طرف بے ساختہ ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔

ہماری صدی کی سائنسی ترقی نے اس حقیقت کو زیادہ سے زیادہ واضح کر دیا ہے کہ بنیادی طور پر سائنس داں کا کام یا کارنامہ غالباً شاعر کے کارنامے سے مختلف نہیں۔ حقیقت نہ پوری طرح سائنس داں کی گرفت میں آتی ہے نہ شاعر۔ حقیقت کا صرف تجربہ ہی کیا جاتا ہے۔ بیان یا پیش ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ ہم اتنا بھی نہیں جان سکتے کہ حقیقت کو پیش یا بیان کرنے کے معنی کیا ہوں گے۔ ہر بیان و اظہار خواہ سائنسی ہو یا شاعرانہ، چلتا

Marfat.com

علامات آفرینی ہی سے ہے۔

ہمارے لیے سب سے اہم بات مدنظر رکھنے کی یہی ہے کہ آج کی عینی سائنسی راہوں کی رو سے ذہن سے باہر کی کسی خارجی یا برائے نام دنیا کے بجائے خود ذہن یا اس کی داخلی دنیا کا ہمارے علم و یقین کی اولین و بنیادی حقیقت ہونا ایک مسلمہ بن چکا ہے۔ اسی طرح سائنس کی یہ انقلابی راہ آپ سے آپ خود سائنس دانوں کے لیے بھی مادیت کے فلسفہ کے بجائے تصوریت کے فلسفہ کی راہنما بن گئی ہے۔ آخر میں مختصراً بڑے بڑے اساطین سائنس کا اعتراف اُن کی زبان سے سُن لیجیے۔

سر جیمز جینز

میرا رجحان تصور اس نظریہ کی طرف ہے کہ شعور احساس حقیقت ہے اور مادی کائنات اس سے ماخوذ۔

میکس پلانک

شعور کی توجیہ مادہ اور اس کے قوانین سے نہیں ہو سکتی۔ میرے نزدیک اساسی حقیقت شعور ہی ہے۔ اور مادہ کو شعور سے ماخوذ خیال کرتا ہوں۔ جس شے کی نسبت ہم کچھ کہتے سنتے ہیں یا جس کو موجود جانتے ہیں۔ اس کے لیے پہلے شعور کا فرض کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔

پروفیسر شروڈنگر

زندگی تو میرے نزدیک ہو سکتا ہے کہ کسی اتفاق کا نتیجہ ہو لیکن شعور کی نسبت میں ایسا خیال نہیں کرتا۔ شعور کی توجیہ طبعی طریقوں سے ناممکن ہے۔ کیونکہ شعور قطعی طور پر ایسی اساسی حقیقت ہے جس کی کسی دوسری شے سے توجیہ نہیں ہو سکتی۔

ہالڈن

اگر ہم شعور کی بھی اسی طرح توجیہ کرنا چاہیں جس طرح طبیعاتی یا حیاتیاتی واقعات و مظاہر

Marfat.com

کی کرتے ہیں تو یہ کوشش بالکلیہ ناکام رہتی۔

آرتھر ایڈنگٹن

باطنی ایگو (انا) کسی طرح بھی طبعی کائنات کا جزو نہیں ہو سکتی۔ الا آنکہ طبعی کے سرے سے معنی ہی بدل کر روحانی کر دیں۔

آئن سٹائن

نفس و شعور اساسی حقیقت ہے۔ سب ہی کو چار و ناچار ماننا پڑتا ہے کہ ہمارے حواسی محسوسات کا منشا و ماخذ کوئی نہ کوئی خود میری ذات و ذہن سے ماورا حقیقت ہے۔

سائنس ہی کی تازہ ترین تحقیقات سے مسلمہ طور پر یہ بھی متیقن و متعین ہو چکا ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر تک مادہ کے نام سے جو ایک ٹھوس جامد جوہری حقیقت مسلم مانی جاتی تھی۔ اس کی جوہریت کا اب مسلمہ طور پر خاتمہ ہو چکا ہے۔ انتہائی حقیقت ایک اور صرف ایک ہے۔ ابدی و کلی روح یا ذہن۔ باقی سب اس ذہن یا شعور سے وابستہ اس کی ذہنی مخلوقات ہیں۔ پھر اگر سائنس اور فلسفہ اور معمولی فہم (COMMENSENSE) سب کا یہ ایک بالکل وجدانی و اضطراری فطری مطالبہ ہے کہ کائنات فطرت کا ہمارے انفرادی ذہنوں سے ماورا کوئی نہ کوئی اپنا بجائے خود مستقل یا ابدی وجود ہونا ہی چاہیے تو کسی نہ کسی رنگ و تعبیر میں برکلے کی ابدی روح یا سر جیمز جینز کے آفاقی ذہن کی واحد شق زیادہ قریب الفہم رہ جاتی ہے۔

ذات باری تعالیٰ اور عقل انسانی کے درمیان زمانہ قدیم سے لے کر آج تک لاعلمی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ عقل انسانی اللہ تعالیٰ کی عظمت کو سمجھنے سے قاصر رہی ہے۔ عقل انسانی نہیں سمجھی کہ اللہ تعالیٰ کتنا بڑا ہے اور اس کی قدرت و ندرت کتنی ہے۔ وہ کتنی عظیم قوتوں کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہر زمانے میں مختلف نظریات بنتے رہے کسی نے

اس کو انسانوں کے مماثل درجہ دیا تو کسی نے اس کو دیوتاؤں کے روپ میں پیش کیا اور کسی نے اس کو خالق کائنات کہا بھی تو اس کی قوتوں کو محدود کر دیا۔ مگر قرآن حکیم نے انسانوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا تصور (PRISM) رکھا اور اس کی عظمتوں کو کھول کھول کر بیان کیا تاکہ لوگ اس کی وحدانیت اور کبریائی سے واقف ہوں۔

چھٹی صدی عیسوی میں نزول قرآن ہوا۔ قرآن نے اللہ کا ایک اعلیٰ اور عظیم تصور دنیا کے سامنے رکھا اور اس کی عظمتوں کو کھول کھول کر بیان کیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو خالق کائنات فاطر السموات والارض، قادر مطلق، وحدہٗ لاشریک کہا۔ جو اس زمانے کے ماحول کے لیے بالکل نئی بات ہے۔ اس کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ نے فرضی قصوں، کہانیوں، فلسفہ بازیوں یا قیاس آرائیوں سے جو بعد میں چل کر مضحکہ خیز ثابت ہوں کام نہیں لیا بلکہ قرآن اللہ تعالیٰ کے تخلیقی کارناموں اور اس کی حیرت انگیز نشانیوں کو بتا کر کہتا ہے کہ وہ خدائے واحد ہے۔ قادر مطلق ہے۔ جو چاہے کرے جیسا چاہے کرے۔ اسی کے حکم سے یہ کثیر مادہ اور ساری کائنات بنی۔ اسی نے اجرام فلکی بنائے۔ اسی نے انسانوں کو پیدا کیا۔ جمادات، نباتات اور حیوانات اسی کی قدرت کاملہ سے پیدا ہوئے۔ کل کائنات اس کے حکم کی تابع ہے۔ وہی قادر مطلق اور کبریائی کا مالک ہے۔ قرآن حکیم کوئی سائنس بک نہیں پھر بھی اس میں بعض ایسی آیات بھی ملتی ہیں جن میں کائنات کی تخلیق اور آسمانوں کے ظاہری مشتملات کا ذکر اس انداز سے کیا جو اس زمانے کے ماحول کے لیے بالکل عجیب و غریب تھا۔ مثلاً

آسمانوں کا بغیر ستونوں کے قائم رہنا۔

(۳۱ : ۱۰)

سب تاروں کا آسمان میں تیرتے رہنا یعنی معلق رہنا۔

(۲۱ : ۳۳)

زمین و آسمان کا دھوئیں سے بننا۔

(۴۱ : ۱۱)

Marfat.com

زمین و آسمان جو آپس میں ملے ہوئے تھے ان کا بعد جدا ہونا۔

(۲۱:۳۰)

بڑے بڑے تاروں کا ہونا۔

(۱۵:۱۶)

قرآن حکیم کے یہ ارشادات دفرمودات سابقہ اقوام وملل کے نظریات سے بالکل مختلف تھے اس لیے ناقابل فہم تھے۔ قرآن حکیم اساطیری و دیومالائی کہانیوں سے مبرا و منزا تھا۔ قرآن سے قبل ارسطو، بطلیموس، فیثاغورث، دیمقراط اور دوسرے یونانی فلاسفہ کی کتابوں میں بھی کہیں ایسا کوئی ذکر نہ تھا۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کی ابتدا میں جب ٹیلسکوپیں (دوربینیں) بننے لگیں تو مشاہدہ نے تصدیق کی تو یہ بات سمجھ میں آنے لگی کہ کائنات میں چاروں طرف بے شمار کہکشاؤں، نیبولوں اور سدیموں کی شکل میں دھواں ہی دھواں ہے یا دھوئیں جیسی چیز موجود ہے جس سے یہ کائنات اور دوسرے بڑے بڑے تارے بنے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے جو بعد میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

اسی طرح قرآنِ حکیم کی اس آیت پر غور کیجیے جو یہ کہتی ہے کہ سوائے طاقت کے خلا میں نہیں جا سکتے۔ خلاء میں جانے کا خیال تو قدما میں کسی کے بھی پیش نظر نہیں تھا۔ مگر موجودہ زمانہ میں خلاء میں جانے کا سوال پیدا ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ خلاء میں جانے سے پہلے غیر معمولی طاقت کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآنی آیات کی حقیقتیں موجودہ زمانے میں ظاہر ہوئیں۔

اسی طرح "تاروں کا بڑے بڑے ہونا بھی سمجھ سے باہر تھا۔ مگر دوربینوں کی سائنسی ایجاد نے بڑے بڑے دیوہیکل تاروں کی دریافت کی تو معلوم ہوا کہ تارے بھی بے انتہا بڑے ہیں جب کہ دوسرے کئی مفکرین ان کو چھوٹے چھوٹے اور آسمان میں پیوست سمجھتے تھے۔ سائنس مذہب کی تکذیب نہیں تائید کرتی۔ قدرت کاملہ کے کئی ایسے اسرار ہیں، کئی ایسے تخلیقی و تکوینی

گورکھ دھندے جنہیں کئی لوگ اپنی محدود عقلیت کی نارسائی کی وجہ ڈھکوسلے اور مذہبی طلسم ہو شربا اور اعتقادی الف لیلیٰ سمجھتے تھے۔ سائنس نے اپنے مشاہدات و تجربات سے انہیں حقیقت ثابت کیا۔ اُن کی حقیقت و سچائی کی تصدیق کی۔ اب تک کئی ایسی سائنسی ایجادات سامنے آچکی ہیں جو نہ صرف کئی محیر العقول، حیرت انگیز، ناقابل یقین، پراسرار و پیچیدہ مذہبی حقائق و معارف اور واقعات و واردات کی وقوع پذیری کی تصدیق و تائید کرتی ہیں بلکہ ان کو سمجھنے میں مدد بھی دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر معراج النبی ہی کے واقعہ کو لیجیے۔ ایک بڑی کمزوری بڑوں بڑوں تک کی یہ ہوتی ہے کہ بارہا اپنی دور بینی ہی کے انہماک و استغراق میں قریب سے قریب تر کی حقیقت و اصلیت کو دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر اور موٹی سے موٹی بات تک کو سمجھنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی حال ان مدعیان عقل و علم کا ہے جن میں سے کچھ تو معراج کے واقعہ عظیمہ کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے اور کچھ اسکے منافی و جسمانی کی موشگافیوں کی اُدھیڑ بُن میں الجھے ہوئے ہیں اور الجھا رہے ہیں جب کہ سائنس کی گھر گھر مقبول عام چند موجودہ ایجادات اس واقعہ عظیمہ کے خصوصی و انفرادی وجود و نمود کی تصدیق کرتے ہوئے برملا یہ کہہ رہی ہیں کہ اگر یہ ہو سکتا ہے تو وہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس کی وضاحت آگے آنے والے صفحات میں کی گئی ہے۔

"معراج اور سائنس" کے عنوان سے اس کتاب کا اختتامی حصہ اسی حقیقت عظمیٰ کو سائنس کی روشنی میں بیان کرنے کے لیے مخصوص ہے۔ جس سے نور و تجلی میں مستور انتہائی حقیقت (ULTIMATE REALITY) حقیقت کبریٰ کا طالب تشنہ ہر شخص رہنمائی پا سکتا ہے۔

لہٰذا اب آگے یہی دیکھنا ہے کہ مذہب کے اس خدائے علیم و بصیر کی طرف سے جو ایک آسمانی کتاب قرآنِ حکیم کی صورت میں مل چکی ہے۔ جو ہر طرح مستند و محفوظ ہدایت نامہ ہے۔ جو رضائے حق کے طالبوں کو ہر طرح کی تاریکی سے نکال کر

Marfat.com

روشنی کی طرف لاتا ہے اور زندگی کی تمام راہوں میں صاف سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور
فرماتا ہے کہ مذہب سے بیزاری اور بے پرواہی روشن خیالی نہیں اور دہریت ولا ادریت
( ) میں پناہ نہیں مل سکتی۔ اور لامذہبیت کے لیے کوئی منطق و
فلسفہ نہیں۔

معراج اور سائنس

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

انسان کی ذات وصفات، خلقت وفطرت کے بارے میں بات صرف اس طرح کی شاعرانہ، فلسفیانہ پریشانی وحیرانی تک ہی نہیں رہی۔ ایک بڑے نامی گرامی نوبل انعام پانے والے ڈاکٹر کاربل مان (DR. ALEX CARREL MAN) نے ایک کتاب "نامعلوم انسان" (THE MAN UNKNOWN) اس موضوع پر لکھ ڈالی کہ انسان نے گو بے شمار علوم وفنون کے کتب خانوں پر کتب خانے بھر ڈالے لیکن خود آپ یہ اس سے جاہل ہی رہا کہ اس کی انسانیت کیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف لکھتا ہے۔

"گو ہمارے پاس دنیا بھر کے علمائے سائنس وفلسفہ اور اشراقیہ یا سریہ (MYSTICS) کے فراہم کردہ معلومات ومشاہدات کا بہت بڑا ذخیرہ ہو گیا ہے۔ تاہم انسان خود اپنی ذات وحقیقت کے صرف چند پہلو ہی اپنی گرفت میں لا سکا ہے۔ پوری طرح اُس نے اپنے آپ کو نہیں جانا۔ بس کچھ پراگندہ یا الگ الگ اجزا کا اس کو ایک معجون مرکب سمجھ رکھا ہے اور یہ اجزا بھی خود ساختہ ہیں"!

اسی طرح ایک اور بڑے عالم سائنس ہینرلٹ (HASLET) نے ایک

ضخیم کتاب "سائنس کے ناحل مسائل" پر لکھ ڈالی اور اس میں بھی سائنس کا لاینحل مسئلہ انسان ہی قرار دیا۔ ڈاکٹر ہینرلٹ اپنی اس کتاب میں لکھتا ہے کہ۔

"سائنس دان کسی بحث و مسئلہ میں اس سے زیادہ عاجز و درماندہ نہیں جتنا خود انسان کے معاملہ میں۔ وہ ایٹم کو توڑ سکتا ہے۔ بعید سے بعید ترین ستاروں کی روشنی کا تجزیہ و تحلیل کر سکتا ہے۔ وہ برقیات پر قادر ہو سکتا ہے لیکن یہی سائنس دان جب زندگی کی حقیقت اور اس سے بڑھ کر خود اپنی یا انسان کی حقیقت سمجھنا چاہتا ہے تو مشکلات ہی مشکلات سے دوچار ہو جاتا ہے۔ نہ زندگی قابو یافتہ تجربہ کی متحمل ہے نہ انسان"

ڈاکٹر ڈارون نے انسان پر تحقیق و تجسس کیا تو اس کا ارتقائی نسب نامہ بندر سے ملا دیا۔ بات پتے کی ہو یا نہ ہو بہرحال معقول ضرور تھی۔ اتنا مہذب و متمدن ہونے کے باوجود ابھی تک انسان کا بہت کچھ بندر سے ملتا جلتا ہے لیکن ایسے عمومی و جسمانی اشتراکات کے باوجود ہر شے اپنے خصوصی نوعی امتیازی صفات و آثار ہی سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ لہٰذا ایک شاعر کو یہ کہنا پڑا۔

کہا منصور نے خدا ہوں میں
ڈارون بولا یوزنا ہوں میں
ہنس کے بولے میرے اک دوست
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

اسی طرح ایک اور بائی آلوجسٹ نے انسان پر تحقیق کی تو اس کے نتائج کے پیش نظر کہنا پڑا کہ ابتدا میں زندگی کھربوں سال مچھلی کی صورت میں سمندروں میں بستی رہی۔

بہرحال یہ بات بھی کسی حد تک معقول ضرور ہے لیکن یہ ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ اسے حقیقت قرار دے دیا جائے کہ طبیعات کے قوانین خود فکر کی اس ساخت یا سانچہ کی خاصیت ہیں

Marfat.com

جس سے ہم خارجی مظروفات کا نقشہ بناتے یا استحضار کرتے ہیں اور اب تک طبیعات ایسے قوانین معلوم کرنے میں ناکام رہی ہے جو خود خارجی مشمولات یا اشیاء پر عائد لاگو ہوتے ہوں۔

یہی حقیقت ایک تاریخ سائنس میں بھی اس طرح دہرائی گئی ہے کہ سائنسی تحلیل ((ANALYSIS)) کے لیے ذہنی تعلقات ((CONCEPTS)) بہرحال ناگزیر ہیں اور اشیاء کے مابین جن روابط و علائق کو قوانین فطرت کہا جاتا ہے۔ وہ نام ہے ذہنی تعلقات ہی کے مابینی علائق کا نہ کہ ذہن سے باہر خارج کے کچھ مادی نوعیت کے ٹھوس حقائق ((CONCRETE REALTIES)) کے مابینی تعلقات و روابط کا۔

اسی تاریخ سائنس میں اسی مسئلہ کو ایک اور طرح بیان کیا گیا ہے۔ لارڈ وتھر فورڈ ((LORDRUTHERFORD)) کے نزدیک سائنس کے قواعد و ضوابط خود ہمارے مشاہدہ و تجربہ کے طریقوں سے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سفید روشنی جو بجائے خود ایک غیر منضبط یا بے ترتیب اختلال ہے اس میں نظم و انضباط۔ طیف (یا منشور ((GRATING)) کے ذریعہ اس کو جانچنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ رد تھر فورڈ اپنے نزدیک جس مرکزہ ((NUCLEUS)) کو دریافت کر رہا تھا ممکن ہے کہ فی الواقع اس نے خود ہی پیدا کر لیا ہو۔ جدید ترین نقطۂ نظر کی رو سے جوہر ((SUBSTANCE)) غائب ہو چکا ہے اور ہمارے پاس صرف ہئیت و صورت ((FORM)) ہی رہ گئی ہے نظریہ کوانٹم ((QUANTUM)) کی رو سے امواج اور نظریہ اضافیت ((LETEVITY) کی رو سے خمیدگی (CURVATURE)

اس کے علاوہ ایک اور محقق عالم سائنس پوانیکرے ( ) اس سے متعلق یہ کہتا ہے کہ کسی شے کے وجود کے معنی کسی کے خیال میں پائے جانے ہی کے ہیں

Marfat.com

ورنہ پھر وہ لاشئ محض ہے۔ وہ سب کچھ جو خیال نہ کیا جا رہا ہو لاشئ محض (ABSOLUTE NOTHINGESS) ہے۔ ہم چونکہ صرف خیال ہی کر سکتے ہیں اور تمام وہ الفاظ جو ہم اشیاء کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ خالص خیال ہی خیال کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ کوئی شئ خیال کے علاوہ پائی جاتی ہے ایسا دعویٰ ہے جس کے کوئی معنی ہی نہیں۔

جدید سائنسی دور میں انیسویں صدی کے آخر تک یہی دعویٰ مادیت و مادہ پرستی کے نام سے زبان زد خاص و عام رہا لیکن بیسویں صدی کی خود سائنسی فکر نے بڑی حد تک اس الٹی منطق کو سیدھا کر دیا کہ بے ذہن اور بے زندگی میں کوئی مادی جوہر ایسا نہیں پایا جاتا کہ زندگی و ذہن جس کی ضمنی و ارتقائی مخلوق ہو۔

اضافیت کے طبعی نظریہ نے ثابت کر دیا کہ برقی مقناطیسی (ELECTRO MAGNATIC) قوتیں حقیقی قطعاً نہیں بلکہ محض خود ہمارے ذہن کی ساختہ پرداختہ ہیں اور یہی حال نیوٹن کی قوت کشش اور انرجی (ENERGY) وغیرہ تمام دوسرے ایسے تصورات کا ہے۔

صدیوں سے سائنسی عنوانات کے تحت کائناتی تحقیقات ہوتی رہی ہیں۔ مگر کوئی بدنظمی یا نقص نظر نہیں آتا بلکہ کائنات کی ہر حرکت، رفتار اور قوت سائنٹیفک فارمولوں، وقت اور ریاضی کے قوانین و ضوابط اور اصولوں کی پابند نظر آتی ہے اور نظم و ضبط کا یہ عالم ہے کہ ان کی تیز رفتار گردشوں میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔

ہم کو معلوم ہے کہ کائنات میں بے حساب کہکشانی طلسمات پھیلے ہوئے ہیں اور وہ سب زبردست قوت و حرکت سے مزین ہیں کیمیائی عنصر کے چھوٹے چھوٹے ذرات سے لیتی جوہروں سے عبارت ہیں۔ جن کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ طاقتور سے طاقتور خوردبین سے بھی ان کو دیکھنا ناممکن ہے۔ جو بال کے دس لاکھویں حصہ سے بھی زیادہ باریک ہوتے ہیں لیکن ان کے غیر مرئی ہونے کے باوجود ان کو تولا ناپا جا سکتا تھا۔

ان ہی جوہروں کو زمین سے آسمان تک کی پوری مادی یا جسمانی کائنات کی تعمیری اینٹیں قرار دیا جاتا ہے۔ ان ہی دو یا زیادہ سالمات سے مل کر معمولاً ان سے بڑا وہ ذرہ یا جوہر بنتا ہے جس کو مکسرہ کہتے ہیں۔ سالمات الگ الگ نہیں پائے جاتے بلکہ کسی نہ کسی جسم کے سالمہ ہی کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔

مختلف پیمائشوں اور حسابوں سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک سالمہ ایک انچ کے نولاکھویں حصہ سے بھی بہت زیادہ چھوٹا ہونا چاہیے۔ اوسطاً سالمہ کا قطر ایک انچ کے بارہ کروڑ پچاس لاکھویں حصہ سے بھی کم ہوتا ہے اور سالمہ یا ایٹم مکسرہ سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ مختلف سالمات وزن و حجم کے اعتبار سے باہم بہت مختلف ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر ایک ایک سالمہ کو یکے بعد دیگرے رکھا جائے تو ایک انچ خط کے لیے چالیس کروڑ سالمات درکار ہوں گے اور ایک گرام وزن کے لیے کروڑ کھرب (TRILLIUN) ایٹموں کی ضرورت ہوگی۔ اور مکسرات کی تیز رفتاری کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہائیڈروجن کا ایک مکسرہ سالمہ ایک سیکنڈ میں ایک میل سے زیادہ حرکت کر جاتا ہے۔ ساکن یا بند ہوا کا مکسرہ رائفل کی گولی سے کئی گنا زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے اور ایک انچ کے ہر بیس ہزارویں حصہ کی مسافت پر یہ دوسرے سے ٹکراتا اور ان ٹکروں کی بنا پر ہر سیکنڈ میں پانچ ارب مرتبہ اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔

ماہرین کو گمان تھا کہ قریباً نوّے قسم کے مختلف ایٹم کی مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں مگر اس کثرت اقسام سے کوئی مطمئن نہ تھا۔ ماہرین کیمیا ان مختلف قسم کے عناصر یا سالمات کو مزید بسائط میں تحلیل نہ کر سکے تھے۔ اس لیے ان کو ناقابل تقسیم ایٹم کہتے تھے تاہم سائنس اس امید میں برابر لگے تھے کہ کوئی نہ کوئی ایسا اساسی مادہ منکشف ہو کر رہے گا جس سے تمام مختلف عناصر کے ایٹم مرکب ثابت ہوں جو ایسا ابتدائی جوہر ہوگا جس سے مادہ کی مختلف متنوع صورتیں رونما ہوتی ہیں۔ (اقتباس از "ماڈرن بلیف")

Marfat.com

اس امر کے انکشاف کا کہ جواہر ناقابلِ تقسیم اور ناقابلِ نفوذ ازلی وابدی ذرات نہیں۔ پہلا قدم ایکس ریز (X-RAYS) کا انکشاف تھا۔ ایسی شعاعیں جو اجسام کے اندر نفوذ کی غیر معمولی قوت رکھتی ہیں۔ یہ تابکار اشعاع برقی امواج پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان کی نوعیت ہماری معمولی روشنی ہی کی ہوتی ہے البتہ ان کا طول موج بہت ہی کم ہوتا ہے۔

سب سے پہلے یہ معلوم ہوا کہ ریڈیم اور یورنیم جیسی دھاتوں سے تین قسم کی شعاعیں نکلتی ہیں جن کا نام "الفا۔ بیٹا۔ گاما" رکھا گیا۔ ان میں سب سے اہم بیٹا شعاعیں ہیں جن کا نام آگے چل کر برقپارے، برقی ذرات یا الیکٹرون (ELECTRONS) پڑا اور پوری کائنات میں جہاں کہیں بھی کوئی ایٹم یا مادہ پایا جاتا ہے۔ وہ ان برقپاروں ہی سے بنا ہوتا ہے جن کا مرکز مثبت برق کی اکائیاں ہوتی ہیں جن کو پروٹون (PROTONS) کہا جاتا ہے الیکٹرون کا جداگانہ وجود صرف اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب کہ وہ کم از کم چھ سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہو۔ ورنہ پھر جو پہلا ایٹم اس کو مل جاتا ہے اس میں مدغم ہو جاتا ہے۔ یہ الیکٹرون دس ہزار سے لے کر ایک لاکھ میل تک فی سیکنڈ تیز رفتاری سے حرکت کر سکتے ہیں۔

یہ الیکٹرون چھوٹے چھوٹے معلوم ایٹم سے بھی ہزاروں گنا چھوٹے ہوتے ہیں۔ غرض زمین و آسمان کے لاتعداد اجسام و اجرام جن کو ہم دیکھ سکتے ہیں نہ صرف یہ کہ وہ بال کے لاکھویں حصہ سے بھی زیادہ باریک ان دیکھے ایٹم یا ذرات سے مرکب ہیں۔ کیا سائنس کی یہ دریافتیں حد درجہ عجیب نہیں؟ کیا یہ بے حد عجیب نہیں کہ سالمات کی تحلیل و تجزیہ نے کائنات کی نسبت خیالات ہی میں عظیم انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اور سائنس کی یہ دریافت بھی کیا کچھ کم عجیب ہے کہ تعمیر کائنات میں مادہ سے کہیں زیادہ خلا پایا جاتا ہے اور مادی سالمات کی خلا یا غیر مادی یعنی عدم مادہ میں تیرتے پھرتے ہیں۔

اور سائنس کی یہ دریافت بھی کچھ کم عجیب نہیں کہ ہر سالمہ میں زیادہ حصہ خلا ہی کا ہوتا ہے

Marfat.com

نسبتاً اتنا زیادہ جتنا مختلف ستاروں کے مابین لاکھوں میل کا اور ہر سالمہ چھوٹے پیمانہ پر گویا ایک نظام شمسی ہوتا ہے جس میں آفتاب یعنی مرکزی پروٹان کے گرد سیارات یا الیکٹران حرکت کرتے رہتے ہیں اور ان کے درمیان اتنی ہی خلا یا خالی جگہ پائی جاتی ہے جتنی مختلف سیاروں اور آفتاب کے درمیان۔ چھوٹے پیمانے پر نظام شمسی۔

مندرجہ بالا جستہ جستہ اقتباسات کا مدعا مادی کائنات کا کوئی تفصیلی سائنسی جائزہ پیش کرنا نہیں سائنس کی موجودہ رسائی کی حد تک اس کی وسعت و پنہائی کی جو نوعیت معلوم ہو سکی ہے اس کا ایک خاکہ زیر بحث مقصد کے لیے پیش کر دینا ہے۔ لہٰذا اس ہی کی زبان میں چند سطروں میں پھر ذہن نشین کرتے چلیں کہ ایک سرے پر اس کی بے پایاں وسعت، ناقابلِ تصور فاصلے، وہم و خیال میں نہ سمانے والی سحابوں کی جسامت، سورج، اور ستاروں کے افسانوی قد و قامت۔ دوسرے سرے پر لا انتہا چھوٹائی کا یہ عالم کہ سالمہ ولیا ہی ناقابلِ تصور حد تک چھوٹا ہے۔ جیسا کہ سحابیہ ناقابلِ تصور حد تک بڑا ہے۔ پانی کے ایک قطرہ میں اربوں کھربوں سالمات پائے جاتے ہیں۔ پھر ہر سالمہ کے اندر اس سے بھی چھوٹے چھوٹے الیکٹرون ہوتے ہیں۔ جن کے درمیان نسبتاً ایسی ہی بڑی بڑی خلائیں یا فاصلے پائے جاتے ہیں جیسے آفتاب اور اس کے سیاروں کے مابین۔ اور پھر سالمہ کی بجائے خود اتنی تنگ و کشادہ دنیا کے اندر عقل کو بوکھلا دینے والا ایک مسلسل خلائی و فلکیاتی بلکہ کائناتی ناٹک جاری ہے۔

اس ناٹک کے کردار اب صرف الیکٹرون و پروٹون ہی نہیں بلکہ الیکٹرون و پروٹون کے بیس سال بعد سالمی ذرہ کی ایک اور قسم کا پتہ چلا ہے جس کو نیوٹران کا نام دیا گیا پھر دو سال بعد ایک اور قسم کے ذرات کا پتہ چلا جن کو پازیٹران سے نامزد کیا گیا۔ آگے چل کر کہہ سکتا ہے کہ اور کیا کیا پتہ نہ چلے گا۔

اگر انسان کے چاند پر پہنچ جانے کی خلائی مہم ناقابلِ تصور بات نہیں رہی تو ایک افضل حالت

انسان کا قاب قوسین بلکہ اس سے بھی آگے تک پہنچ جانا ناقابلِ تصور بات کیسے ہوسکتی ہے اور سائنس خود اس کی تائید و تصدیق کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک محبوب ترین بندے کو مشاہدہ کرانا تھا، یہ بتانا تھا کہ تم کو تمہاری زمین و زندگی کا راز بھی آسمان پر یا کہیں اس سے بھی ماورا ملے گا۔ پس وہ اپنے بندے کو جہاں تک لے جانا چاہتا تھا اپنی قدرت کاملہ سے لے گیا اگر ایک عام انسان خلائی راکٹ میں چاند تک جاسکتا ہے تو سرور دو عالم احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاب و قوسین و ادنیٰ تک چلے جانے پر ایمان نہ رکھنا خدا کی قدرت و ندرت پر ایمان نہ رکھنے کے مترادف ہے۔ کفر و الحاد کے مترادف ہے۔ منکر معراج منکر خدا ہے۔

وہ خدا جو اپنی شانِ کبریائی میں لاشریک ہے۔ اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ جس نے خود آپ اپنی ذاتِ اعلیٰ صفات سے متعلق فرمایا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (۲۱-۲۲)

اگر کائنات میں دو خدا ہوتے تو کائنات تباہ ہو کر رہ جاتی۔

وہ خدا جس نے اپنی کتاب قرآنِ حکیم میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ط أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ

بھلا بتلاؤ تو سہی، تمہارے وہ شریک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ انہوں نے زمین کی کونسی چیز بنائی۔ یا کیا آسمانوں میں ان کی کوئی شراکت ہے؟

ایک اور جگہ فرمایا۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ فَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ۔ (سبا ۲۲)

Marfat.com

آپ فرما دیجیے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین کے پیدا کرنے میں نہ ان دونوں کے پیدا کرنے میں شریک ہیں اور نہ کوئی ان میں سے اللہ کا کسی کام میں مددگار۔

وہ خدا جو خود اس کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ اس وسیع کائنات کا انتظام کیسے کرتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد کرتا ہے۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(البقرہ ۲۵۵)

نہ اس کو اونگھ آسکتی ہے نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

ایک اور جگہ تخلیق کائنات کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ (ق ۳۸)

ہم نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا اور ہم تھکے نہیں۔

حکمتِ تخلیق کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔ (زمر)

ہم نے ہر چیز کو حکمت سے اور میعاد معین کے لیے بنایا۔

اور پھر یہ ارشاد ہوا۔

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ۔ (المومنون ۱۷)

ہم تخلیق سے غافل نہیں۔

عمل تخلیق اس عمل کو کہتے ہیں جس میں کوئی نئی چیز موجود نہ ہو موجود ہو جائے۔ غیر موجو

موجود ہونا تخلیق کہلاتا ہے تخلیق کے لیے سنگ وخشت یعنی مادہ کی ضرورت نہیں بلکہ تخلیق خود مادہ تخلیق کرتی ہے۔

کائنات میں جو بے حساب اور کثیر المقدار مادہ پایا جاتا ہے وہ تخلیق ہی کا کرشمہ ہے تخلیق سے پہلے وہ غیر موجود تھا۔ تخلیق نے اسے موجود کر دیا۔ بڑی بڑی کہکشائیں، سحابیے اور سدیمیں۔ یہ بڑے بڑے اجرام فلکی جو کبھی وجود نہ رکھتے تھے تخلیق ہی کے عمل سے وجود میں آئے اور عمل تخلیق صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے۔ یہ سب اسی کی کرشمہ کاریاں ہیں۔ وہی خالق ہر شے ہے۔ اس عملِ تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس عملِ تخلیق میں وہ طراح اعظم تنہا اور لاشریک ہے۔ اور یہ بھی نہ سمجھ لینا چاہیے کہ تخلیق کائنات ایک لحادثہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اس کا خالق وہی خالق مطلق ہے جس کی معرفت وحکمت اور عظمت ورفعت کے اظہار کے لیے قرآن جلیل میں بے شمار آیات موجود ہیں۔

وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر قائم کیا پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ اس نے آفتاب وماہتاب کو قانون کا پابند کیا۔ وہی ہے جس نے سورج کو روشن کیا۔ چاند کو چمک دی۔ اور اس کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کر دیں۔ جو تم جانتے ہو اور تم اسی سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرتے ہو۔

اس سارے نظام کی ہر چیز وقت مقررہ پر چل رہی ہے اور اللہ ہی اس سارے کام کا تدبیر فرما ہے۔

اللہ نے یہ سب کچھ بامقصد بنایا ہے اور وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

اس نے چاند سورج کے طلوع وغروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اس زبردست قدرت والے اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے

اندازے ہیں۔

آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لیے بہت سے دلائل ہیں۔

اس کی نشانیوں میں سے ہے زمین و آسمان کا پیدا کرنا تمہارے لب و لہجہ اور رنگوں کا الگ الگ ہونا۔ اس میں علم والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ دوران خطبہ آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ط (۳۹-۲۷)

ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی۔ قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں۔

اور یہ کہتے کہتے حضورؐ پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ سامعین کو خطرہ ہونے لگا کہ کہیں آپؐ منبر سمیت نہ گر جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی رفعتیں اور وسعتیں جاننے کے لیے اس کی تخلیق کی ہوئی کائنات کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ مظاہر کائنات اور کائنات کا مطالعہ خالق کائنات کی حکمتوں اور قدرتوں کا ترجمان ہے۔

قرآن حکیم نے زمین و آسمان کی تخلیق کے تعلق سے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اس پر غور و خوض کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ہم نہ صرف خالق کائنات کی عظمتوں اور حکمتوں سے واقف ہوں بلکہ ان پر مکمل یقین و ایمان رکھنے والے ہو جائیں۔ ہمارے لیے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ یہ کائنات اور مظاہر کائنات جو اس کی صناعیوں اور صورت گری کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں آخر ہیں کیا۔

لالہ وگل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

کائنات اور اُس کی بیکراں وسعتوں میں رات دن گردش کرتے یہ اجرامِ فلکی کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ ان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ جب کہ ان کی تخلیق کے بارے میں یہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (۴۰-۵۷)

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے کی نسبت مشکل کام ہے۔

اور پھر کائنات اور مظاہر کائنات کا مطالعہ اس لیے بھی بڑا ضروری ہے کہ شبِ معراج صاحبِ معراج طلسم ماہ و انجم سے بھی گزر رہے تھے اور مستقر زمین تھا اور رات دن گردش میں رہنے والے آسمان زیرِ پائے محمدؐ تھے۔

بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ایک ٹھوس چھت ہے جس تک پہنچنا ہمارے لیے ممکن ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پرندے صرف چند سو میٹر کی بلندی تک اڑتے ہیں ہم کوہستانی وادیوں میں جاتے ہیں تو ان شہروں کی بلندی دو اڑھائی ہزار میٹر کی ہوتی ہے۔ کوہ پیما جن پہاڑوں کی چوٹیوں کو تسخیر کرتے ہیں وہ ایک حد تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں طیاروں کی پرواز ان چوٹیوں سے بھی اونچی ہوتی ہے۔ اس سائنسی دور میں خلائی راکٹوں اور مصنوعی سیاروں کی اڑان لاکھوں کلومیٹر بلندی پر ہوتی ہے۔ تاہم انسان کبھی آسمان کی انتہا تک نہیں پہنچا۔ اونچی اور اونچی بلندی پر بھی سورج اور ستارے اتنے ہی دور نظر آتے ہیں جتنے زمین کی سطح سے وہ دور ہیں۔

آسمان کا ہماری زمین اور زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری ساری ضروریات پوری کرنے کا سامان اسی میں رکھا ہے۔ اسی نیلگوں بیکرانی میں ہوائیں چلتی ہیں۔ بادل اُمڈ گھمڈ کر اٹھتے ہیں جو مینہ برسا کر زمین کو سیراب کرتے ہیں۔ دن کے وقت

Marfat.com

سورج پوری آب وتاب سے چمکتا ہے اور زمین کو روشن کرتا ہے۔ اس کی تمازت سے کارخانۂ حیات کے کئی کام چلتے ہیں۔

غروبِ آفتاب پر جب رات افق سے افق تک اپنے سیاہ شہپر پھیلا دیتی ہے تو آسمان کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے۔ چاند چمکنے اور ستارے جھلملانے لگتے ہیں۔ ہر رات میں آسمان کا منظر مختلف ہوتا ہے۔ چاند کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ یہ آسمان کے مختلف حصوں میں چمکتا نظر آتا ہے۔ ستارے مشرقی افق سے طلوع ہو کر رات بھر مغربی افق کی جانب گردش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی کوئی تارا ٹوٹتا نظر آتا ہے تو روشنی کی لمبی سی لکیر بناتا ہوا خلا پہنائیوں ہی میں کہیں غائب ہو جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں انسان کی ذہنی رسائی بس اتنی ہی تھی کہ آسمان ایک ٹھوس چھت ہے جس میں جلتی ہوئی قندیلیں اور فانوس لٹک رہے ہیں۔ انسان کا خیال تھا کہ اس پردۂ زنگاری میں کوئی ہے جو ان سماوی شمعوں کو حرکت دے رہا ہے لیکن جب انسان کے مشاہدات اور عقلیات میں اضافہ ہوا تو اس کے ساتھ ساتھ آسمان کے متعلق اس کے تصورات و نظریات میں تبدیلی آتی گئی۔ اس سے ایک نیا علم وجود میں آیا جس کو فلکیات کہتے ہیں۔

یہ سارا نظام کائنات کیا ہے؟ اجرامِ فلکی کیا ہیں؟ ان کی گردش کا راز کیا ہے۔ یہ سوالات ہمیشہ انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور وہ حقیقت کو جاننے کا متلاشی متجسس رہا ہے اور اسی تجسس کو سائنس کہتے ہیں۔ اور یہ تجسس کرنے والا سائنس دان کہلاتا ہے جن میں سے اسپینوزا، جان لاک، ڈیوڈ ہیوم، ہیگل، نطشے وغیرہ جو خدا ناشناس تھے اور ان میں سے نیوٹن، کوپرنیکس، کوپرولیف، ایڈنگٹن، جیمز جینز اور آئن سٹائن جیسے خدا شناس بھی جنہوں نے خدا کی عظمتوں اور رفعتوں کا اعتراف کرتے ہوئے حقیقت عظمیٰ کی تلاش جاری رکھی۔ اور ایسے سائنسی آلات ایجاد کیے جن سے کائنات اور مظاہر کائنات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی۔ اور انسان نے افلاک کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات حاصل

Marfat.com

کرلیں۔ آیئے ان کی جدید معلومات کی روشنی میں معلوم کریں کہ ہمیں آسمان اور اس پر نظر آنے والے اجسام کے بارے میں کیا تصور ملتا ہے۔ اور یہ سائنسی حقائق معراج مصطفےٰ کی کہاں تک تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ ہم ابتدا زمین سے کرتے ہیں کہ یہی سفر معراج کا نقطہ آغاز ہے حضورؐ یہیں سے سفر معراج پر تشریف لے گئے اور معراج سے واپسی پر یہیں پر تشریف لائے۔

Marfat.com

معراج اور مظاہر کائنات

زمین :

زمین کی شکل ایک گول گیند کی سی ہے۔ جس کو فضا کے غلاف نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اس میں ۸۸ کلومیٹر بلندی تک ہوا یکساں پائی جاتی ہے۔

ہوا میں نائٹروجن ۷۸ فیصد، آکسیجن ۲۱ فیصد اور آرگن ۹۳ فیصد ہیں۔ باقی ۱ فیصد میں کاربن ڈائی آکسائیڈ آبی بخارات اور ذرات وغیرہ شامل ہیں۔

زمین کے قریب ہوا کی مقدار زیادہ ہے لیکن جوں جوں اوپر اٹھتے جائیں اس کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔

فضا کے پہلے ۱۶ کلومیٹر میں ہوا کا کل ۹/۱۰ حصہ ہے۔ اس حصے میں آندھیاں چلتی ہیں طوفان اٹھتے ہیں۔ بادل بنتے اور برستے ہیں اور موسمی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اس حصے میں جوں جوں اوپر جائیں درجہ حرارت کم ہوتا چلا جاتا ہے۔

۱۶ کلومیٹر سے زیادہ بلندی پر ہوا اس قدر لطیف ہو جاتی ہے کہ انسان کے لیے سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ ۲۰ سے ۳۰ کلومیٹر کے درمیان آکسیجن کی ایک قسم اوزان (OZONE) گیس پائی جاتی ہے۔ جس کے ہر سالمے میں آکسیجن کے دو کے بجائے تین جوہر یا ایٹم ہوتے ہیں۔ فضا کے اس حصے میں درجہ حرارت پھر بڑھنے لگتا ہے اور ۵۰ کلومیٹر بلندی پر تقریباً وہی درجہ حرارت ہوتا ہے جو سطح زمین پر ہے۔

Marfat.com

۵۰ سے ۸۸ کلومیٹر تک بلند فضا میں سورج سے خارج ہونے والی شعاعوں کے باعث برقی اثرات پائے جاتے ہیں۔ یہ حصہ شمسی شعاعوں کی زد میں ہوتا ہے۔ اس میں پہلے ایٹمی آکسیجن کی تہہ پائی جاتی ہے۔ ۲۰۰ کلومیٹر پر ہیلیم گیس کی تہہ شروع ہوتی ہے اور مزید چند سو کلومیٹر کی بلندی پر ہائیڈروجن گیس کی تہہ آجاتی ہے۔ فضا کی آخری حد سطح زمین سے ۹۶۰۰ کلومیٹر بلندی پر مانی گئی ہے۔

کرہ زمین کو فضا کے علاوہ برقائے ہوئے ایٹمی ذرات یعنی پروٹان اور الیکٹران کو ایک اور غلاف نے بھی ڈھانپ رکھا ہے۔ یہ ذرات سورج سے خارج ہو کر زمین کے گرد سطح زمین سے ۳۰۰۰ کلومیٹر سے لے کر ۸۰۰۰ کلومیٹر بلندی تک جمع ہوتے رہتے ہیں یہ نہایت تیز رفتاری سے حرکت کر رہے ہیں اور سورج سے آنے والی کاسمک (COSMIC) شعاعوں کو زمین پر آنے سے روکتے ہیں۔ اگر یہ غلاف نہ ہوتا تو سورج کی یہ شعاعیں زمین کی ہر چیز کو جلا کر بھسم کر دیتیں اور یہاں زندگی کا وجود ممکن نہ ہوتا۔

زمین کا قطر پچیس ہزار میل یا چالیس ہزار کلومیٹر ہے۔ وہ ایک گھنٹہ میں ایک ہزار میل سے نائد یا ایک ہزار چھ سو کلومیٹر سے زیادہ گھومتی ہے۔ اسی گردش سے رات دن بنتے ہیں جو حصہ سورج کے سامنے ہوتا ہے دن اور جو سورج کے سامنے نہیں ہوتا رات کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ دن رات کے بننے پر غور و فکر کرنے کو کہا گیا ہے۔

زمین کی دو حرکتیں ہیں۔ پہلی حرکت اس کی محوری گردش ہے جو چوبیس گھنٹوں میں مکمل ہوتی ہے۔ دوسری حرکت وہ ہے جو یہ سورج کے گرد کرتی ہے۔ اس کی یہ گردش ایک سال میں پوری ہوتی ہے۔ جنوری کے مہینے میں یہ جس مقام پر رہتی ہے اس مقام پر سورج کے اطراف گھوم کر واپس آنے کے لیے ۶۰ کروڑ میل یا ۹۳ کروڑ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اس کی اتنی تیز رفتاری باوجود اللہ کی قدرت سے ہمیں اس کی تیز رفتاری کی قطعاً خبر نہیں ہوتی۔

Marfat.com

ابتدا میں زمین سورج کا ایک حصہ تھی۔ اور پھر یہ سورج سے علیحدہ ہوگئی جیسا کہ قرآنِ حکیم میں کہا گیا ہے۔ جب یہ سورج سے علیحدہ ہوئی تو بھاپ یا دھوئیں کی شکل میں تھی۔ بعد میں مائع میں تبدیل ہوگئی اور کچھ عرصہ بعد اس نے ٹھوس شکل اختیار کرلی۔

زمین کے وزن کا اندازہ اکیس صفر ٹن کیا گیا ہے۔ سائنس کی تحقیق کے مطابق جو اجزا سورج میں پائے جاتے ہیں وہ زمین میں بھی پائے جاتے ہیں۔ زمین کی سطح سے چالیس میل تک موٹی مٹی کی پرت ہے جس میں سلیکن، میگنشیم اور لوہا جیسی کئی دھاتیں پائی جاتی ہیں۔ زمین کے مرکز کا درجہ حرارت اندازاً دو لاکھ سنٹی گریڈ ہے اس کا تین چوتھائی حصہ سمندروں سے گھرا ہوا ہے۔ اس میں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ ہیں۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ ان کی تخلیق اس لیے کی گئی کہ زمین کو قائم رکھیں۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ (انبیاء۔ ۳۱)

زمین کے اوپر پھیلی ہوئی ایک عظیم خلاء ہے۔ اتنی کہ انسان اس کی وسعت کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ اس میں کھربوں اجسام تیرتے ہیں۔ اس کا نہایت ہی معمولی حصہ ہمیں دکھائی دیتا ہے طاقتور دوربینوں کی مدد سے انسان اس میں ذرا زیادہ دور تک دیکھ سکتا ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ بیت المقدس پہنچے تو فرشتوں کی ایک جماعت آپؐ کے استقبال کے لیے وہاں موجود تھی حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ کو براق سے نیچے اتارا اور اس براق کو دیوار کے ساتھ باندھ جسے البراق کہتے ہیں۔ براق کی تیز رفتاری کا حال تو آپ معراج شریف کے بیان میں پڑھ ہی چکے ہیں۔ بعض لوگوں کے لیے براق کی یہ تیز رفتاری اچنبھے کی بات ہے کہ اتنی تیز سواری براق تھی یا کیا تھی۔

جہاں تک تیز رفتاری کا تعلق ہے خلائی راکٹ، مصنوعی سیارے اور اڑن طشتریاں اس کی ایک نمایاں مثال ہیں۔ جو دنیا کے بیشتر حصوں میں دیکھی جاچکی جو نہایت تیز رفتاری سے خلاء سے آتی ہیں اور خلاء ہی میں غائب ہوجاتی ہیں اور ابھی تک کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ ہیں کہ

Marfat.com

بہرحال تیز رفتاری کی سائنسی حقیقت کو سمجھنے کے لیے سائنس کے پاس اس کی کئی زندہ مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کرتی ہے۔

ہمارے روزانہ مطالعہ کا ایک مجموعہ یا تارہ منڈل (CONSTELLATION) جس کا نام سگنوس (SYGNUS) ہے۔ ایک سیکنڈ میں بیس ہزار میل کی رفتار سے پیچھے ہٹتا جا رہا ہے اور اس کی رفتار میں ذرا فرق نہیں آ رہا۔

انسانوں نے جو اعداد بنائے ہیں وہ وسعت کائنات کی پیمائش کے لیے کافی نہ ہو سکے اس لیے سائنس دانوں نے نوری سال ( ) کی ایجاد کی۔ نور کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہوتی ہے اور براق بھی ایک نورانی وجود تھا اور پھر قدرت کاملہ نے اسے جس خدمت پر مامور کیا تھا اس میں تیز رفتاری ہی درکار تھی۔ اس کے علاوہ بھی تیز رفتاری کی کئی مادی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

بجلی کا ایک بلب ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل کے فاصلے پر رکھ دیں۔ سوئچ دبائیں تو ایک سیکنڈ میں وہ بلب جلنے لگے گا۔ یہ برقی رو کی تیز رفتاری ہے اور پھر ہوا کی تیز رفتاری بھی اس کی ایک مثال ہو سکتی ہے۔

براق سے اترنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تو پیغمبروں کی ایک جماعت آپؐ کے استقبال کے لیے تشریف لائی اور حضورؐ نے امام بن کر اپنے مرسل بھائیوں کو نماز پڑھائی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبۃ الصخرا پر لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سیڑھی نظر آئی جو زمین سے آسمان کو چھو رہی تھی۔ یہ ارتقائے معراج کی سیڑھی تھی اور بڑی ہی پراسرار تھی۔

اس کے دونوں طرف کے بازو دو پنجروں کی طرح تھے۔ ان کا ایک سرا زمین پر تھا اور دوسرا آسمان پر۔ ایک بازو سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا اور دوسرا سبز زمرد کا۔ اس کا ایک پایہ سونے کا بنا ہوا تھا اور دوسرا موتیوں اور چاندی سے۔ اور اس کی مجموعی صورت کرسی کے مشابہ تھی جس میں

زمرد کے دو اتنے بڑے پر لگے تھے کہ اگر اس کا ایک پر پھیلایا جاتا تو تمام دنیا کو گھیر لیتا اور اس کرسی میں پچاس مقام تھے اور ہر مقام میں ستر سال کا فاصلہ تھا۔ اور ایک ایک مقرب فرشتہ ہر مقام پر متعین تھا۔

یہ سیڑھی فرشتوں کے آنے جانے کا راستہ ہے۔ جو آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور زمین سے آسمان پر جاتے ہیں۔ موت کا فرشتہ ملک الموت بھی روح قبض کرنے کے لیے اسی سیڑھی سے نیچے اترتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مرنے کے وقت جب آدمی کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں تو اس وقت یہ سیڑھی نظر آتی ہے۔

مراۃ مسلسلہ کا عظیم سحابہ ستاروں کا ایک بہت بڑا نظام ہے جس کی شکل اور ساخت ہماری کہکشاں سے ملتی جلتی ہے۔ قدیم بابلی اور کلدانی لوگ اسے آسمانی کرسی کہتے تھے۔

اور قدیم مصری اسے طوت غخ آمون کی سیڑھی کہتے تھے جس کے راستے وہ دیوتا چاند سے اتر کر زمین پر آتا تھا۔

یہ مجمع نجوم مرأۃ مسلسلہ میں خالی آنکھ سے بہت دھیما دھیما نظر آتا ہے۔ یہ ہم سے ۲۵ لاکھ نوری سال دور ہے۔ پھر بھی تمام جزائر کائنات سے جو فضائے بسیط میں گردش کرتے رہتے ہیں اور ہم سے قریب ترین ہے۔ اس کا قطر ۶۰ ہزار نوری سال ہے۔ اگر ایسے محیط و بسیط کائناتی جزیرے ہو سکتے ہیں تو زمین سے آسمان کو چھوتی ہوئی سیڑھی بھی ہو سکتی ہے۔

اوپر دی گئی تصویر رصدگاہ کوہ ولسن کے ۶۰ انچ کے عاکس سے لی گئی لیکن انسان ابھی وہاں نہیں پہنچا کہ وہ کوئی ایسا عاکس تیار کر سکے جس سے اس سیڑھی اور اس پر آتے جاتے فرشتوں کی تصویر اتار سکے۔ یہ تو اس کا ایک سائنسی تجزیہ (SCIENTIFICANALYSIS) ہے جس کے لیے ذہنی تعقلات ((CONCEPTS)) بر حال کارگزیر ہیں۔ اور جن علائق یا اضافات ((RELATIONS)) کو قوانین فطرت کہا جاتا ہے وہ صرف ذہنی تعقلات ہی کے مابینی روابط یا اضافات کا نام ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سیڑھی کے ذریعے آسمان تک طلسم مہ انجم سے گزرے۔ زمین سے قریب ترین جو سیارہ ہے اس کو چاند کہتے ہیں اس کا فاصلہ زمین سے تین لاکھ پچاسی ہزار کلومیٹر ہے۔ اور اس کا قطر ۳۴۸۰ کلومیٹر۔ یہ زمین کی نسبت بہت چھوٹا ہے۔ اس کی کشش ثقل بہت کم ہے۔ زمین پر جس چیز کا وزن ۱۵۰ پونڈ ہے چاند پر اس کا وزن ۲۵ پونڈ ہو گا۔ زمین کی طرح چاند کی بھی دو گردشیں ہیں۔ ایک محوری گردش اور دوسری زمین کے گرد مدار میں گردش چاند کی محوری گردش کی رفتار ۱۶٫۵ کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ ان دونوں رفتاروں میں اس قدر توازن ہے کہ زمین سے چاند کا ایک ہی رُخ نظر آتا ہے۔ چاند کی سطح پر جو کالے کالے دھبے نظر آتے ہیں وہ آتش فشاؤں کے دہانے اور بڑے بڑے غار ہیں۔ ان کے علاوہ کافی اونچے اونچے پہاڑ بھی ہیں۔

Marfat.com

چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں۔ سورج کی روشنی منعکس کرتا ہے۔ چاند اپنی گردش کے دوران سورج زمین کے عین بیچ میں آجاتا ہے تو سورج کے کچھ حصے کو یا پورے سورج کو تاریک کر دیتا ہے۔ رات کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ کیفیت سورج گرہن کہلاتی اسی طرح زمین جب چاند اور سورج کے درمیان حائل ہو جاتی ہے تو چاند پر سورج کی روشنی نہیں پڑتی اور وہ تاریک ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کا نام چاند گرہن ہے۔

سائنس دانوں کا متفقہ خیال ہے کہ چاند ایک روز زمین کے قریب آجائے گا اور پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اور زمین کے گرد ایک ہالہ بن جائے گا۔ اس وقت سمندروں میں تلاطم اٹھیں گے اور زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسی واقعہ کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (قمر۔۱)

قیامت آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

سورج زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ یا ۱۴ کروڑ ۸۸ لاکھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے سورج زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔ اس کا اپنا ایک نظام ہے جس میں نو سیارے ہیں جو سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ پہلا سیارہ عطارد۔ سورج سے بہت قریب ہے اس کا فاصلہ سورج سے تین کروڑ ۶ لاکھ میل ہے۔ اس کا قطر ۳۰۱۰ میل ہے۔ وہ ۸۸ دنوں میں سورج کے گرد ایک چکر پورا کرتا ہے یعنی اس کا ایک سال ہمارے ۸۸ دنوں کا ہوتا ہے۔

دوسرا سیارہ زہرا سورج سے چھ کروڑ ۷۲ لاکھ میل دور ہے۔ اس کا قطر ۷۶۱۰ ۲۲۵ دنوں میں سورج کے گرد چکر لگاتا ہے۔ اس کا وزن ۵ کے بعد ۲۱ صفر ٹن ہے۔ زہرا کے بعد زمین ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

چوتھا سیارہ مریخ ہے۔ سورج ۱۴ کروڑ ۱۵ لاکھ ۴۰ ہزار میل دور ہے۔ اس کا قطر

Marfat.com

۴۱۵۰ میل ہے۔ وہ سورج کے گرد ۶۸۷ دنوں میں گردش کرتا ہے۔

مریخ میں زندگی کی موجودگی کا شبہ کیا جاتا ہے۔

پانچواں سیارہ مشتری ہے۔ یہ ایک بڑا سیارہ ہے۔ وہ سورج سے ۸۸ کروڑ ۳۳ لاکھ میل دور ہے۔ اس کا قطر ۸۶ ہزار ۷ سو میل ہے۔ سورج کے گرد ۱۲ سال میں ایک چکر لگاتا ہے۔ اس کا ایک سال ہمارے ۱۲ سال کے برابر ہوتا ہے۔ مشتری زمین سے ۳۱۷ گنا بڑا ہے۔

چھٹا سیارہ زحل سورج سے ۸۸ کروڑ ۶۱ لاکھ میل دور ہے۔ اس کا قطر ۷۵۰۰ میل ہے۔

ساتواں سیارہ یورنس سورج سے ایک ارب ۸۷ کروڑ ۲۷ لاکھ میل دور ہے اس کا ایک سال ہمارے ۸۴ سال کے برابر ہوتا ہے۔

آٹھویں سیارے پچون کا فاصلہ دو ارب ۸۰ کروڑ میل ہے۔ اس کا قطر ۲۷۱۰۰ میل ہے۔ یہ سورج کے گرد ۱۶۵ سالوں میں گردش کرتا ہے۔

نویں سیارے پلوٹو کا فاصلہ تین ارب ۷۶ کروڑ میل ہے۔ اس کا قطر ۲۷۰۰ میل ہے اس کا ایک سال ہمارے ۲۵۰ سالوں کے برابر ہے۔

جس طرح ہماری زمین کے گرد چکر لگانے والا اللہ تعالیٰ نے ایک چاند بنایا اسی طرح دوسرے سیاروں کے گرد چکر لگانے والے چاند بھی بنائے ہیں۔ مریخ کے گرد دو چاند گھومتے ہیں۔ مشتری کے گرد بارہ چاند۔ جن میں سے تقریباً آدھے ہمارے چاند سے بڑے ہیں زحل کے گرد ۹ چاند گھومتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس کے گرد ایک گول ہالہ بھی ہے جو بے حد خوشنما لگتا ہے۔ یورے نس کے گرد پانچ اور پچون کے گرد دو چاند چکر لگاتے ہیں۔

سورج سے قریب ترین اک اور تارا پراکزیما سینٹاری (PROXIMA CENTERARI)

ہے۔اس کا فاصلہ زمین سے پانچ نوری سال ہے۔یہ سورج سے کچھ چھوٹا مگر اُس سے سوا گنا زیادہ روشن ہے۔

اس طرح بہت سے تارے سورج سے کئی گنا زیادہ منور ہیں۔ایک اور تارہ پروکیان (PROCYON) سورج سے گیارہ نوری سالوں کے فاصلے پر ہے سورج سے سات گنا روشن ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کشاں کشاں مرواِنجم کے اس طلسم سے گزرے۔اس سیڑھی کے انتہائی کنارے تک پہنچے۔

Marfat.com

معراج اور ملائکہ

حضورؐ نے ارتقائی سیڑھی کے انتہائی کنارے پر ایک بہت بڑا فرشتہ دیکھا جو ہاتھ کھولے ہوتے زمین اور آسمان کے ساتوں طبقوں کو دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے تھا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ہوائی کرہ میں پہنچے جہاں ہواؤں کو ستر ہزار زنجیروں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھا اور ہر زنجیر ستر ہزار فرشتوں کے سپرد تھی۔

حضورؐ یہاں سے ذرا اور آگے بڑھے تو حضورؐ نے ایک مقام پر فرشتوں کے غول در غول دیکھے۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔

"ان فرشتوں کی تعداد کس قدر ہوگی"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوقات خداوندی میں سے کوئی بھی ان کی تعداد نہیں جانتا"!

یہاں سے آگے بڑھے تو آپؐ نے ایک ایسا فرشتہ دیکھا جس کا اوپر کا آدھا حصہ آگ سے بنا ہوا تھا اور نچلا آدھا حصہ برف سے۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ نہ تو آگ برف کو پگھلاتی تھی اور نہ برف آگ کو بجھاتی تھی۔

یہاں سے آگے بڑھے تو دوسرے آسمان میں ایک فرشتے کے پاس پہنچے جو کرسی پر بیٹھا تھا۔ اور اس کے پر بڑے چمکیلے تھے اور اس فرشتے کی چوڑائی اس قدر تھی کہ اگر وہ ایک پر کو پھیلاتا تو مشرق سے مغرب تک گھیر لیتا۔

Marfat.com

اس فرشتے کے اردگرد بہت سے فرشتے جمع تھے جو بڑے جسیم تھے۔ ان کے ہاتھ میں آگ کے گرز تھے جن سے وہ بہت سے انسانوں کو عذاب دے رہے تھے جب وہ ان کو گرز سے مارتے تھے تو ان کا جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا تھا اور جل جاتا تھا اور فوراً ہی وہ اپنی اصلی حالت میں آجاتے تھے اور فرشتے ان کو گرز مار کر پھر ریزہ ریزہ کر دیتے تھے۔

چوتھے آسمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بڑا ہی عجیب واقعہ دیکھا وہ یہ تھا کہ ایک فرشتہ کرسی پر بڑا غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ اس کرسی کے چار گوشے اور ہر گوشہ کے بہت سے پائے سونے چاندی اور مروارید کے بنے ہوئے تھے۔ اور اس کے اردگرد ان گنت فرشتے کھڑے تھے جو گنے نہیں جا سکتے تھے۔ جو فرشتے دائیں طرف کھڑے تھے خوش شکل تھے اور جو بائیں طرف کھڑے تھے بڑی ہی ڈراؤنی شکل کے تھے۔ ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے تھے اور جو فرشتہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا مجسم آنکھ بنا ہوا تھا اور اس کی آنکھ میں مرنج اور مشتری ایسے بے شمار ستارے چمک رہے تھے۔ ستارے

چھٹے آسمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بند دروازہ دیکھا جس پر تمام آسمانوں اور زمینوں کے برابر قفل لگا ہوا تھا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے حضورؐ کو بتایا کہ اس کو باب الامان کہتے ہیں۔ یہ دوزخ کا دروازہ ہے۔ ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں اور کل مخلوق کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ دروازہ پیدا کیا ہے۔ اسی واسطے اس کو باب الامان کہتے ہیں۔

"اس دروازے کو کھول کر دکھاؤ اس کے پیچھے کیا ہے"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا۔

"یا رسول اللہ اس کے پیچھے دوزخ کی آگ ہے۔ آپ کو دوزخ اور دوزخیوں سے کیا کام۔ آج کی رات بزرگی کی رات ہے۔ جلدی چلیے تاکہ

Marfat.com

آپ مقام معراج پر پہنچ جائیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اے جبریل! میں ضرور دیکھوں گا اس دروازے کے پیچھے کیا ہے"؟
اتنے میں حکم الٰہی آیا کہ میرے حبیبؐ انگشت مبارک کا اشارہ کرو۔ دروازہ کھل جائے گا
چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا تو دروازہ فوراً کھل گیا۔ جس کے ساتھ ہی دھوئیں کے بادل اور بھڑکتے ہوئے شعلے باہر نکلے۔

آپؐ نے نظر ماری تو ہر طرف آگ ہی آگ اور شعلے ہی شعلے دکھائی دیے۔ جن میں ایک ایسا رعب اور دبدبے والا فرشتہ نظر آیا کہ حضورؐ انور نے اس سے پہلے نہ دیکھا۔ اُس کے آس پاس اور بھی کئی فرشتے کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں آتشیں گرز تھے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے آگے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو ایک بڑی ہی عظمت والا فرشتہ دیکھا۔ جس کے طول و عرض کے برابر کوئی فرشتہ نہ تھا۔ بے شمار اس کی زلفیں تھیں جن میں ستارے پروئے ہوئے تھے اور ہر ستارہ ایک موتی تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہر موتی سے ایک دریا جاری تھا۔ اور ہر دریا میں بڑی بڑی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

سفر معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جسیم و جلیل فرشتے دیکھے وہ بھی سب اللہ تعالیٰ کی قدرت و ندرت اور عظمت رفعت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر اتنی بڑی کائنات اور اس سے ماورا اس سے بھی بڑی کائناتیں پیدا کر سکتا ہے۔ بڑے بڑے جسیم ستارے اور کہکشائیں پیدا کر سکتا ہے تو جسیم و قد آور فرشتے پیدا کر دینا بھی اس کی قدرت کاملہ سے باہر نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش ہی میں اپنے اس تخلیقی و تکوینی راز کو منکشف کرنے کے لیے فلک بوس پہاڑوں اور ستاروں میں بھی اس کی تمثیلیں پیدا کر دیں۔ جن کی تصدیق و تائید سائنس اپنی زبان میں یوں کرتی ہے کہ۔

☆ ایک طرف صرف ایک سورج کے مقابلہ میں ہماری سڑ برابر زمین کی دنیا کا خیال کریں

Marfat.com

اور دوسری طرف اس ایک سورج جیسے کروڑوں دوسرے سورجوں کا جو اس مجموعہ میں پائے جاتے ہیں جس کو کہکشانی نظام کہا جاتا ہے۔ پھر یہ کائنات یا عالم اس کہکشانی نظام پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس جیسے لاکھوں لاکھ سحابیے خلاء میں تیر رہے ہیں اور ہم سے قریب ترین سحابیہ بھی چھ کروڑ اڑسٹھ ہزار نواسی نوری سال کی دوری پر واقع ہے اور بے حد بڑا ہے۔ جس زمین پر ہم آباد ہیں یہ نظام شمسی کا صرف ایک سیارہ ہے جو سورج کے مقابلے میں مٹر کا دانہ ہے۔ سورج تو سورج سیارہ مشتری اتنا بڑا ہے کہ اس میں ہماری زمین جیسی ایک ہزار سے زیادہ زمینیں سما سکتی ہیں اور پھر آسمان پر جو چھوٹے چھوٹے تارے دکھائی دیتے ہیں ان میں اکثر سورج کے برابر اور بہت سے خود سورج سے اتنے بڑے ہیں کہ ان میں دس ہزار سورج سما سکتے ہیں۔

ستارے وہ کہلاتے ہیں جو خود بخود روشن ہیں یعنی جو اس وقت جلتی ہوئی گیس کی حالت میں پائے جاتے ہیں۔ اور جو ٹھنڈے ہو چکے ہیں جیسے مریخ اور ہماری زمین وغیرہ وہ سیارے کہلاتے ہیں۔

فرس مجتمع کے پانچ ستارے فوق کہکشاؤں (EXTRAGALATIC)

کا ایک جھرمٹ بتاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک خود ایک جزیرۂ کائنات ہے اور ہماری کہکشاؤں کی طرح اربوں کھربوں ستاروں کا مجموعہ ہے۔

ہم جس کہکشانی نظام میں واقع ہیں بیسویں صدی کی دوربینوں کے ذریعے اس کے ستاروں کی تعداد قریباً دس ہزار ملین ہے۔ پھر بھی ہماری کہکشاں بجائے خود صرف ایک مقامی کہکشانی نظام ہے جس کے علاوہ اور بے شمار کہکشانی نظامات پائے جاتے ہیں۔

کائنات کی تعمیر و تشکیل سے متعلق ((COSMOLOGICAL)) جو مضمرات ان میں پنہاں ہیں وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

کہکشاؤں سے بھی ماورا سحابیے ( ) پائے جاتے ہیں جن کو
معلوم کرنے کے لیے بیسویں صدی کی امریکہ کے کوہ ولسن کی دوربین درکار تھی جس سے یہ
حقیقت واضح ہوئی کہ یہ سحابیے بھی دراصل ستارے ہیں جو کہکشاں سے بے انتہا دور فاصلے
پر پائے جاتے ہیں۔ اینڈرومیڈا (ANDRAMEDA) سحابیہ سے جو روشنی
ہماری دوربین تک پہنچتی ہے وہ بیس لاکھ سال سے گزر رہی ہوتی ہے۔ ہم ٹیلسکوپ (دوربین)
سے خلا میں (SPACE) جہاں بھی دیکھیں یہ سحابیے موجود ملتے ہیں۔ لیکن ابھی
تک کوئی ایسی ٹیلسکوپ ایجاد نہیں ہوئی جس سے افلاک میں اپنے اپنے کام اور مقام پر متعین
ملائکہ دیکھے جا سکیں کہ وہ تعداد میں کتنے ہیں اور کس قدر جسیم ہیں۔ البتہ شمسی مشاہدات نے

ان کی تمثیلوں کو افلاک میں ضرور دیکھ لیا ہے۔ اس سے آگے سائنس کے لیے ابھی اندھیرا ہے ؎

عروج ماہ کو انسان سمجھ گیا لیکن
ہنوز عظمت اللہ سے آگہی کم ہے

خالی آنکھ سے جو ستارے دیکھے جا سکتے ہیں ان کی تعداد دس ہزار سات سو ہے باقی بڑی بڑی دوربینوں سے سات کروڑ تک دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور فوٹو گراف میں یہ تعداد ہزاروں ملین تک جا پہنچتی ہے لیکن حیران کر دینے والے یہ اعداد اصل میں بیرونی خلا میں شروع ہوتے ہیں۔ جہاں کروڑوں سحابیے اور اربوں ارب ستارے پائے جاتے ہیں اور یہ اعداد و شمار انسانی ذہن کو چکرا دینے والے ہیں۔

اربوں کھربوں میل کا طول و عرض رکھنے والے اجرام سماوی، سیاروں، کہکشاؤں اور سحابیوں کا ذکر ہی کیا۔ خود زمین پر آنکھوں دیکھے سینکڑوں لاکھوں میل لمبے چوڑے سمندروں اور ہمالیہ جیسے پہاڑوں کے اجسام خود سائنس کی بتلائی ہوئی مسلمہ حقیقت کی ہمالیاتی صداقت سے وحی و نبوت والے مذہب کے لیے اسی سلسلہ میں بہت بڑی پتہ کی گہری تنبیہ والی بات یہ ہے کہ الحاد کے بجائے ایمان کا راستہ دکھلانے والے جدید سے جدید سائنس کے ان سارے انقلابات کے باوجود اہل ایمان قرآن کی وحی کے عطا کیے ہوئے خدا پر ایمان رکھیں۔ مادی کائنات کے زیادہ گہرے مطالعہ و فہم نے خدا پر ایمان کے نئے نئے دروازے کھول دیے ہیں کہ کتنا عظیم ہے وہ خدا جو اتنے بڑے بڑے اجرام فلکی کو توازن کے ساتھ رکھے ہوئے ہے کہ وہ اپنا توازن کھو نہ بیٹھیں۔

کتنی عالیشان ہے وہ ذات جس نے عظیم الجثہ (SUPERGIANT) تارے بنائے اور ان کو روشن کیا۔ جو سورج سے کئی گنا بڑے ہیں۔ ستارے بٹلگیز (BETELGEUSE) یا انٹارس (ANTARES) ہمارے سورج جیسے ۶ کروڑ سورج سما سکتے ہیں۔ ایجینا (AGENA) سورج سے آٹھ گنا بڑا

Marfat.com

اور تین ہزار تین سو گنا روشن ہے۔ اس کا قطر ۷۰ لاکھ میل یا اکروڑ ۱۲ لاکھ کلومیٹر ہے۔

آرکیٹورس (ARCTURUS) یہ تارہ سورج سے ۲۵ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر تقریباً دو کروڑ میل ہے۔ اس کا رنگ سنگترے جیسا ہے۔

رائگل ( ) یہ سورج سے ۳۰ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۲ کروڑ ۶۰ لاکھ میل ہے۔ اس کا رنگ نیلا ہے۔

الڈی باراں (ALDEBARAN) یہ سورج سے ۴۳ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر تقریباً ۳ کروڑ ۷۲ لاکھ میل ہے۔

شیاٹ (SCHEAT) اس کو اگر سورج کے مقام پر رکھ دیا جائے تو زہرہ سیارہ اس کے دائرے کے اندر آجائے گا۔ اس کا قطر ۸ کروڑ ۶۵ لاکھ میل ہے

کیانوپس (CANOPUS) یہ سورج سے دو سو گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۱۷ کروڑ ۳۰ لاکھ میل ہے۔

کیٹی (KETI) یہ سورج سے ۳۰۰ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۲۶ کروڑ میل ہے

انٹارس (ANTARES) یہ سورج سے ۳۰۴ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۳۷ کروڑ ۲۰ لاکھ میل ہے۔

یہ سب تارے آگ کے گولے ہیں۔ بُل گیر میں جو شعلے اٹھتے ہیں وہ پانچ کروڑ میل بلند اٹھتے ہیں تو پھر جہنم جہاں مقصد کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کے شعلے نہ جانے کتنے بلند اٹھتے ہوں گے۔ ان کی بے انتہا مہیب اور دہشت ناک شکل اللہ تعالیٰ کے جلال کی عکاسی کرتی ہے۔ اگر کسی عظیم تارے کو سورج کی جگہ رکھ دیا جائے تو زمین کے تمام سمندر بھاپ بن کر اڑ جائیں۔ جنگلوں اور شہروں میں آگ لگ جائے اور پہاڑ پگھلنے لگیں۔

بعض مجموعہ سیارگان میں تو عظیم ترین تاروں سے بھی بڑے بڑے ہیں۔ مثلاً

Marfat.com

سفائی (CEPHEI) سورج سے ایک ہزار گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۸۶ کروڑ ۵۰ لاکھ میل ہے

آری گا (ANRIGAI) کے مجموعہ ستارگان میں ایک تارہ آری گا تی ( ) سورج سے دو ہزار گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ایک ارب ۲۷ کروڑ میل ہے ان میں اٹھنے والے شعلوں کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ خلا میں ایسے کھربوں آتشیں کرے یا آتش فشاں ستارے بنانے والی قدرت کاملہ کیا گناہگاروں کی سزا کے لیے ایک جہنم نہیں بنا سکتی۔

سورج ہی کو لیجیے ایک بہت بڑی ایٹمی بھٹی ہے۔ سورج ہائیڈروجن گیسوں کا بہت بڑا گولا ہے۔ سورج کے بالکل وسط میں ہائیڈروجن اس قدر دباؤ میں ہے کہ اس کے ایٹموں سے ہیلیم گیس کے بڑے ایٹم بن رہے ہیں۔ اس تبدیلی کے نتیجہ میں زبردست مقدار میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔

سورج کے مرکز میں درجہ حرارت لاکھوں درجہ سنٹی گریڈ تک چلا گیا ہے۔ چونکہ سورج کا حجم بہت بڑا ہے۔ اس لیے اس کے اندر جتنے ایٹمی دھماکے ہوتے ہیں وہ اس کے مرکزی حصے میں ہی سما جاتے ہیں۔

سورج کا مرکز اپنی حرارت کا کچھ حصہ بیرونی حصے کو منتقل کرتا رہتا ہے۔ اس حصے کو فوٹو سفیئر (PHOTO SPHERE) یعنی کرہ نور کا نام دیا گیا ہے۔

سورج کے گرد اس کی بھی ایک فضا ہے۔ سورج کی سطح سے چار ہزار کلومیٹر تک کو کروموسفیئر (CHOROMOSPHERE) یعنی کرۂ رنگین کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سرخ رنگ کا ہے اور اس کا درجہ حرارت دس ہزار درجہ سنٹی گریڈ تک ہے۔ اس کے اوپر لاکھوں کلومیٹر بلندی تک کرونا (CORONA) یعنی تاج ہے۔ اس میں مسلسل شعلے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ جن کا درجہ حرارت لاکھوں درجہ سنٹی گریڈ تک ہے۔ ان شعلوں کے ذریعے

سورج اپنی توانائی برابر خارج کرتا رہتا ہے۔ جس کا بڑا حصہ برقی مقناطیسی شعاعوں کی صورت میں زمین پر پہنچتا ہے۔ ان شعاعوں کے ساتھ الیکٹران، پروٹان، ایٹمی مرکزے اور نیوٹرینو ذرات بڑی مقدار میں پوری کائنات میں پھیلتے اور زمین کی طرف بھی آتے ہیں۔

دائرۃ البروج کے بارے میں تو آپ یہ جانتے ہی ہوں گے کہ ہر برج کا اپنا ایک نام ہے اور وہ اپنی ایک مخصوص شکل بھی رکھتا ہے۔ بروج کے نام اور ان کی مخصوص شکل درج ذیل ہے

برج حمل : اس کی شکل مینڈھے کی ہے۔

برج ثور : نشان بیل

برج جوزا : نشان جڑواں بچے

برج سرطان : نشان کیکڑا

برج اسد : نشان شیر

برج سنبلہ : نشان دوشیزہ

برج میزان : نشان ترازو

برج عقرب : نشان بچھو

برج قوس : نشان نصف کماندار نصف گھوڑا

برج جدی : نشان بکری

برج دلو : نشان مشکیزہ بردار

برج حوت : نشان دو مچھلیاں

کسی بھی رات کو آپ شمالی آسمان پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو وہاں سات ستاروں کا مجموعہ نظر آئے گا۔ جس کو دب اکبر (BIG DIPPER) یا نبات النعش کا نام دیا گیا ہے۔

ان ستاروں کی ترتیب اس طرح ہے کہ چار ستارے ایک چارپائی کے پائے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کے پیچھے تین ستارے تصور میں یوں آتے ہیں کہ جیسے تین لڑکیاں چارپائی

Marfat.com

کے پیچھے چل رہی ہو۔ چارپائی کے آخری دو ستاروں کی سیدھ میں ان ستاروں کے باہمی فاصلے سے تقریباً پانچ گنا فاصلے پر جو ستارا نظر آتا ہے وہ قطبی تارا (POLARISY) ہے۔

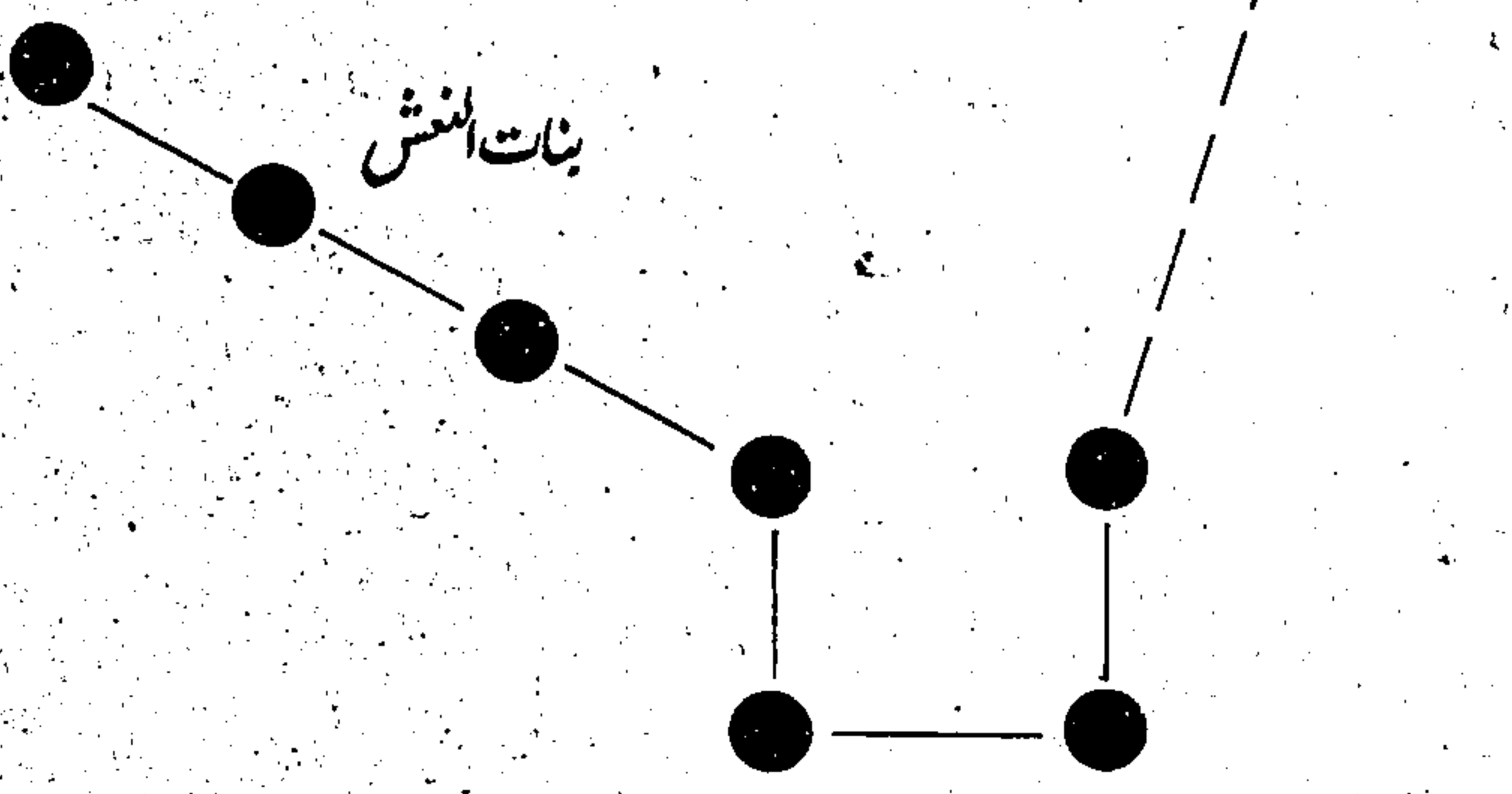

قطبی ستارے کے دوسری طرف چھ ستاروں کا ایک نمایاں مجموعہ انگریزی لفظ ڈبلیو (W) کی طرح کا ہے۔ اس کا نام ذات الکرسی ہے۔ یہ بھی ہر رات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

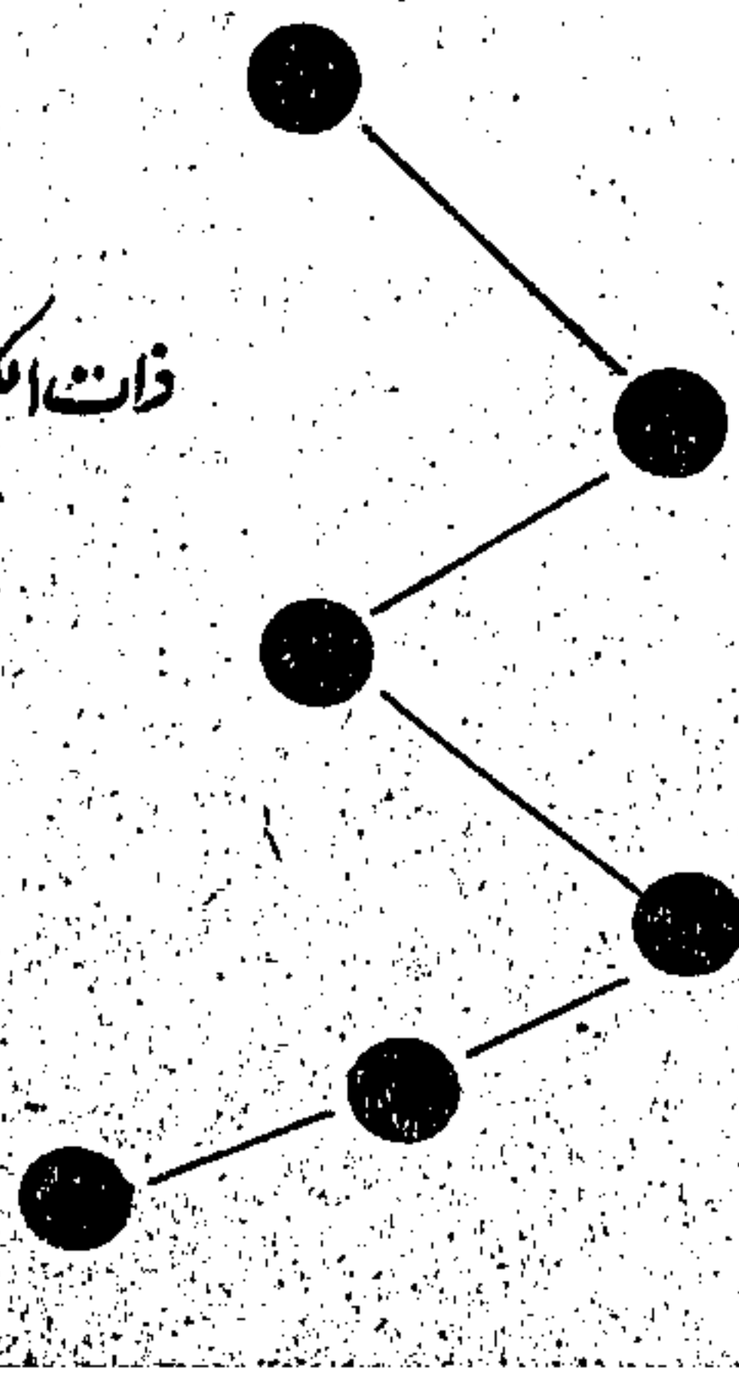

Marfat.com

آسمان میں روشن ترین ستاروں کا ایک مجموعہ ہمیں موسم سرما میں جنوبی آسمان پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کو الجبار (ORION) کا نام دیا گیا ہے۔ اس کو دیکھ کر تصور میں یوں آتا ہے جیسے ایک شکاری کمر میں پیٹی باندھے اور تلوار لٹکائے کھڑا ہے۔ اس میں تین روشن ستارے ایک قطار میں واقع ہیں جن کی مدد سے یہ مجموعہ فوراً تلاش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آسمان پر تین ستاروں کی کوئی دوسری قطار موجود نہیں۔ یہ قطار شکاری کی پیٹی ہے۔ اس کے ٹھیک نیچے کی طرف ستاروں کی ایک دھندلی قطار ہے۔ یہ شکاری کی تلوار ہے۔ اوپر اور نیچے دو دو روشن ستارے ہیں جو شکاری کے شانوں اور اس کے پاؤں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

Marfat.com

شکاری کے شانے سے اوپر کچھ فاصلے پر چھوٹے چھوٹے ستاروں کا ایک جھرمٹ نظر آتا ہے۔ بڑی مشکل سے آپ اس میں سات آٹھ ستاروں کو گن سکیں گے۔

اس جھرمٹ کا نام ثریا ہے جس کی بلندی اور دوری ضرب المثل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہم اس کو دیکھیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر شے اپنا ایک الگ وجود رکھتی ہے۔ بعض کو دیکھا جا سکتا ہے۔ بعض کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ ہم بآسانی پہاڑ کو دیکھ سکتے ہیں کہ یہ پہاڑ ہے۔ اسی طرح سمندر کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ سمندر ہے۔

مگر کئی چیزیں نظر نہیں آتیں اور وہ ہیں جیسے ہوا ہے نظر نہیں آتی۔ خوشبو ہے اور دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے باوجود اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ہم ملائکہ کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہے مگر ہم اس کو دیکھ نہیں سکتے مگر اس کی نشانیوں، اس کی صفات اور اس کی عظمتوں کو دیکھ کر اس کے وجود کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اس وسیع و عظیم الشان کائنات کی ہر شے پکار پکار کر اپنے خالق کے وجود کی گواہی دیتی ہے۔ جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد ہے ان میں سے پہلی چیز ایمان ہے اور ایمان کے معنی جاننے اور ماننے کے ہیں۔ سب سے پہلے تو انسان کو خدا کی ہستی کا پورا یقین ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر اسے یہی یقین نہ ہو کہ خدا ہے تو وہ اس کی اطاعت کیسے کرے گا۔ اس کے ساتھ انسان کو خدا کی صفات کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد دوسری چیز جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہے وہ فرشتوں کی ہستی ہے۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ مخلوق ہیں۔ نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہماری نظروں سے غائب ہیں۔ ان کی فطرت ایسی ہے کہ وہ خدا سے احکام کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے جن کاموں پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مقرر فرما دیا ہے انہیں میں لگے رہتے ہیں۔ فرشتوں کی گنتی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ستاروں کی طرح وہ بھی گنے نہیں جا سکتے۔

خالق کائنات صرف سورج، چاند اور تاروں کا ہی خدا نہیں ہے بلکہ وہ فرشتوں کا بھی خدا ہے۔ ان کی تخلیق سوائے حیرت و تعجب کے کچھ بھی نہیں۔ خدا نے ایسے کھربوں کھربوں تارے بنائے ہیں جو سورج سے ہزاروں لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ جن کے قطر کروڑوں میل ہیں۔ اور اللہ کی مخلوق ایسے فرشتے بھی ہیں جو قد و قامت میں بہت ہی بڑے ہیں۔ وہ بیک وقت زمین پر بھی ہیں اور آسمان پر بھی۔ ان کے پر اس قدر چوڑے ہیں کہ اگر ایک پر کو پھیلائیں تو مشرق سے مغرب تک گھیر لیں۔ اور ایسے فرشتے بھی جن کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ سائنس اس کی تائید آتش فشاں پہاڑوں سے کرتی ہے۔ جن کے دہانے سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ سورج ہی کو لیجیے جو آگ کے شعلوں کے کرے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ابتدائی دور میں زمین پر ڈینوسار اور مہمل ٹائپ کے ایسے ایسے قوی الجثہ جانور موجود تھے جن کے نتھنوں سے اور دہانے سے آگ نکلتی تھی۔

ساتویں آسمان پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت ہی بڑا فرشتہ دیکھا جس کے بے شمار بال و پر تھے۔ جیسے درخت میں شاخیں اور شاخوں میں پتے۔ یہ فرشتہ بہشت کی ایک نہر نہر النور میں غسل کرتا اور باہر آکر اپنے بال و پر جھاڑتا اور جہاں جہاں پانی کی بوند گرتی ایک فرشتہ پیدا ہو جاتا ہے جب کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ ہماری زمین بھی سورج سے ایک بوند کی طرح ٹپک کر علیحدہ ہو گئی تھی۔ خلا میں اب بھی ایسے سحابیے اور کہکشائیں موجود ہیں۔ جن سے بارش کی طرح برستی سیال گیس اور مادے شب و روز ٹپکتے ہیں اور تارے بن جاتے ہیں۔ تاروں کے نئے جھرمٹ اسی طرح وجود میں آ رہے ہیں نئی گیلیکسیاں اسی عمل سے بنتی ہیں۔

ساتویں آسمان کے قریب رسول مقبولؐ نے ایک معمر فرشتہ دیکھا جو بڑا ہی بوڑھا تھا اس کے نہ صرف سر کے بلکہ بھوؤں کے بال بھی سفید برف ہو رہے تھے پپوٹوں

Marfat.com

پر گر رہے تھے۔ آنکھیں ان میں چھپی ہوئی تھیں۔ اس کی عمر لاکھوں سال معلوم ہوتی تھی۔

سورج کی عمر کا اندازہ بے انتہا مشکل ہے۔ جب کہ سائنس دان اس کی عمر پانچ ارب سال بتاتے ہیں۔ اور بعض ایک کھرب سال۔ اٹھارہ سو تارے کی عمر ۷ کھرب سال کہتے ہیں ابتدا میں انسان بھی بڑی لمبی عمر پاتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر دو ہزار سال تھی۔ جب کہ درازی عمر کی یہ مثالیں جانوروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہیل مچھلی اور کچھوے کی عمر بڑی لمبی ہوتی ہے۔ کئی صدیاں زندہ رہتا ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت ہے جسے چاہے، جتنی چاہے لمبی عمر عطا کرے۔ کروڑوں میل قطر کے تاروں کے مماثل فرشتے کب پیدا کیے گئے اور اب ان کی عمر کیا ہوگی؟ یہ خدا ہی جانے۔

ان تمام چیزوں کو پیش نظر رکھ کر دیکھیں تو واضح ہوگا کہ ان بے شمار کہکشاؤں اور عظیم ترین کروں کو خالق کائنات نے نہ تو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور نہ ان کو کسی مخلوق یا فرشتوں سے بنوایا۔ نہ ان کے بنانے میں کسی کی مدد لی۔ خالق کائنات کو ان کے بنانے کے لیے ایک ایسی قوت استعمال کرنا پڑی۔ جس کو قوت امر کہتے ہیں، قوت حکم کہتے ہیں حکم خالق کائنات کی ایک بہت بڑی اور عظیم ترین قوت کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ یا خواہش کرتا ہے تو حکم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا تخلیق کائنات خالق کائنات کے اسی حکم کا نتیجہ ہے کہ یہ کثیر مادہ جو کبھی نہیں تھا خالق کے حکم سے دھواں دھواں ہوا اور پھر اس کے حکم ہی سے بڑی بڑی عظیم گیا لیک بنیں عظیم اور عظیم ترین تارے آسمان پر جگمگانے لگے۔ اور ان کے مماثل فرشتے معرض وجود میں آئے۔ اور تخلیق کے اس راز کو جتنی جس کی عقل تھی اُس نے اتنا ہی سمجھا۔ کائنات کے سلسلہ میں سائنس دانوں اور مفکروں نے خدا کی اس قوت حکم کو سمجھنے کی جتنی کوشش کی خدا نے اتنی ہی اُن کی رہنمائی کی۔ اور پھر قرآن حکیم نے علم والوں کو بہت بڑا درجہ اور امتیازی مقام عطا فرمایا۔

Marfat.com

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

(آل عمران)

اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی کہ اس کے سوا کوئی حد نہیں اور فرشتے اور سب اہلِ علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا کوئی خدا نہیں۔

مہاکاتِ معراج

شبِ معراج رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے آسمان پر ایک دریا دیکھا جو اتنا چوڑا تھا کہ اُس کو پار کرنے میں انسان کو دو سو برس لگ جائیں اور ہر جانور جو خشکی و تری میں ہوتا ہے اس دریا میں موجود تھا۔ وہ دریا ہوا میں معلق تھا اور ایک قطرہ پانی کا اُس سے نہیں گر رہا تھا۔

ہماری دنیا کے سمندر بھی تو ہوا میں معلق ہیں اور ایک قطرہ پانی کا اُن سے خلا میں نہیں گر رہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آسمان سے آگے بڑھے تو ایک سبز دریا پر پہنچے۔ جس میں اتنے فرشتے تھے کہ ان کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

یہاں سے آگے بڑھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دریائے تاریک پر پہنچے جس میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کہ اس دریا میں کیا کچھ ہے۔

اس کے بعد حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اُس ہوائی کرہ میں سے گزرے جہاں ہواؤں کے ستر ہزار زنجیروں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھا اور ہر زنجیر ستر ہزار فرشتوں کے سپرد تھی تاکہ وہ اُس کی حفاظت کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے آسمان پر آئے تو دیکھا کہ ہر طرف سفید موتی سی قندیلیں اور شمعیں فروزاں تھیں جو کبریائی نور سے روشن تھیں۔

چھٹے آسمان پر فرشتے غول در غول عبادت میں مشغول تھے حضورؐ ان میں سے گزرتے ہوئے ایک دروازے پر پہنچے جو کافور تھا۔ اور اس کی دہلیز تحت الثریٰ سے شروع ہو کر عرش تک پہنچی ہوئی تھی۔ دروازہ بند تھا جس پر تمام آسمانوں اور زمینوں کے برابر قفل پڑا تھا اور ضو دے رہا تھا۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو اس کی شان ہی سب سے نرالی دیکھی۔ سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کا تنا زرِ سرخ کا ہے۔ یہ درخت بیری کے درخت کے مماثل و مشابہ ہے۔ اس کی بعض شاخیں مروارید کی اور بعض زمرد و یاقوت کی ہیں اور اتنا اونچا ہے کہ اگر اس کی چوٹی تک پہنچنا چاہو تو پچاس ہزار سال کا راستہ طے کرنا پڑے پتے اس کے ہاتھی کے کانوں کی طرح اور پھل اس کے مٹکے کے مماثل۔

اللہ تعالیٰ کے نور نے اس درخت کو ڈھانپا ہوا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پتے ستاروں کی طرح چمک رہے تھے اور سدرہ ارد گرد فرشتے غول در غول منڈلا رہے تھے جیسے شمع کے گرد پروانے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ کی جڑ سے چار نہریں نکلتی دیکھیں۔ دو ظاہر دو مخفی۔ مخفی نہریں بہشتی نہریں تھیں اور ظاہری دونوں دنیا میں جاتی تھیں۔ جو ایک دریائے نیل ہے اور دوسری دریائے فرات۔

ان کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور نہر دیکھی جس کے کناروں پر یاقوت، پچھے موتی اور زمرد کے کوزے رکھے تھے جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کے مشابہ تھیں۔

اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوزہ بھر کر پیا۔ پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار تھا۔

سدرہ کی جڑ سے ایک اور چشمہ جاری تھا جس کا نام سلسبیل تھا۔ یہاں سے آگے

Marfat.com

بڑھے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آگ کے کئی دریاؤں پر سے گزرے اور ان سے ذرا آگے جاکر حجابات عظمت کا لامتناہی درخشندہ و تابندہ سلسلہ شروع ہو گیا۔

عقل انسانی میں اتنی سکت نہیں کہ وہ ان رازوں کو پا سکے۔ ہماری حیثیت اُس چیونٹی کی سی ہے جو کائنات کے ٹیلی ویژن سٹ پر سے رینگتی ہوئی نکل جاتی ہے اور نہیں جانتی کہ ٹیلی ویژن سکرین پر کیسے کیسے مہاکات منعکس ہو رہے ہیں اور ٹیلی وژن کے اندر وہ کونسی مشینری ہے وہ کونسا سحر و طلسم ہے جو ٹیلی وژن کی سکرین پر ان مہاکات کو ان کی پوری دلکشی و دلفریبی کے ساتھ منعکس کر رہا ہے۔

اسی طرح عقلِ انسانی میں بھی اتنی ہی استعداد ہے جتنی کہ اس کی ضروریات کی تکمیل اس کی مدافعت اور اس کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ اس عقلی قوت کی استعداد و استطاعت اتنی نہیں بڑھتی کہ اپنے خول سے باہر ہو جائے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ انسان میں اتنی قوت نہیں کہ وہ کارخانہ قدرت میں دخل دے سکے۔ وہ کوئی ایسا مادہ نہیں پیدا کر سکتا جو اجرام فلکی کی روشنی کو گھٹا بڑھا سکے جو سالہا سال تک سورج اور دوسرے تاروں کی طرح جلتا رہے۔

انسان نہ بادل پیدا کر سکتا ہے نہ بجلی چمکا سکتا ہے۔ وہ ہواؤں کا رُخ بھی نہیں بدل سکتا نہ موسموں میں تغیر لا سکتا ہے۔ مگر وہ اپنی عقل کو بروئے کار لا کر نئی نئی چیزیں تیار کر سکتا ہے چاند پر جا کر وہاں کے حالات معلوم کر سکتا ہے۔ خلائی جہاز کے ذریعے خلاء کا معائنہ کر سکتا ہے مصنوعی سیارے چھوڑ سکتا ہے۔ ایٹم، ہائیڈروجن ایسی نیوکلر توانائیوں پر تحقیقات کر کے ان کو استعمال کر سکتا ہے۔ الیکٹرانکس کی مدد سے دوسرے سیاروں سے ربط قائم کر سکتا ہے۔ مگر تخلیق و تعمیر کے بہت سے راز ابھی ایسے ہیں جہاں تک انسان کی عقل اور سائنس ابھی تک نہیں پہنچی۔

جہاں تک سائنس نے تحقیق کی ہے کروڑوں سال ہوئے جلتے ہوئے بادل جیسے

Marfat.com

پگھلے سورج کے اردگرد گھومتے تھے۔ اسی زمانے میں سیاروں کے شروع ہونے کا پتہ چلتا ہے سیارے گیس کے لفافے میں لپٹے ہوئے تھے۔ زمین ان سیاروں میں سے ایک تھی۔

اس نئی زمین پر یعنی اس کی سطح پر بے شمار شہاب ثاقب گرنے لگے جن کی حقیقت سائنس نے یہ معلوم کی ہے کہ ہر سیارے کے اطراف لاتعداد شہاب ثاقب پائے جاتے ہیں جو سخت ترین پتھر یا لوہے کے اجسام ہوتے ہیں۔ خود ہماری زمین کے اطراف ۱۰ کھرب شہاب ثاقب آتے دیکھے گئے ہیں۔

ان میں سے سولئے چند ایک کے تمام زمین پر گرنے سے پہلے ہی جل کر خاک ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ یہ طریقہ نہ بناتا تو کرہ ارض پر انسان کی زندگی دشوار ہو جاتی۔ رات دن پتھریلی آگ کی بارش ہوتی۔

چاند، سورج، عطارد اور دوسرے سیاروں میں جو غار پائے جاتے ہیں وہ سب شہاب ثاقب گرنے سے پیدا ہوتے۔ زمین پر ایسے کئی غار بنے تھے مگر وہ ہوا اور پانی کی وجہ سے مٹ گئے۔ اسی طرح سورج کی سطح پر ہر روز تقریباً ۱۵ تا ۲۰ کروڑ ٹن شہاب ثاقب گرتے ہیں۔

ابتدا میں اس نئی زمین کی سطح پر بے شمار شہاب گرنے لگے۔ ان میں سے ایک زمین کے گرد گھومنے لگا یہ چاند تھا۔ سورج، زمین اور چاند سب اپنے اپنے مدار میں تیرنے لگے۔

سورج کی تابکاری بڑھتی گئی لیکن زمین تک نہ پہنچ پائی کیونکہ زمین جمی ہوئی ٹھنڈی گیس میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کی سطح پر برودت کی تہ جمی ہوئی تھی۔

زمین کی سب سے پہلی فضا بہت طوفانی تھی۔ زمین سے نکلتی ہوئی گرمی سے یہ اور درہم برہم ہوتی گئی۔

جہاں جہاں زمین کے اندر سے گرمی باہر نکلنے لگی وہاں جگہ جگہ اس کی پہلی سطح گرم ہو کر پگھلنے لگی۔

Marfat.com

لاوے کی بہت بڑی جھیلیں اور کھولتی ہوئی دلدلیں سطح زمین پر پھیلنے لگیں۔ لاوا اس زور سے نکلا کہ گیس اوپر اٹھنے لگی۔

چار ارب بیس کروڑ سال ہوئے۔ پہلا براعظم بنا جو گرم اور ویران تھا۔ پھر فضا ٹھنڈی ہونے لگی اور پانی کے بخارات بارش میں تبدیل ہو کر نیچے گرنے لگے۔ لیکن زمین کی سطح اتنی گرم تھی کہ وہ یہ نمی جذب نہ کر سکی۔ پانی بھاپ بن کر دوبارہ اٹھنے لگا۔ مسلسل بارش ہوتی رہی۔ آخر کار زمین کی سطح پانی جذب کرنے لگی اور پھر ٹھنڈی ہونے لگی۔

چار ارب سال ہوئے۔ زبردست اور خوفناک طوفانوں کے اٹھنے سے ایک نئی قسم کی فضا پیدا ہو گئی۔ یہ زندگی کے لیے نہایت ضروری تھی۔ طوفان ہلکے ہونے لگے۔ بجلی چمکی اور زندگی کی ابتدا کے لیے حالات موافق ہوتے گئے۔

تین ارب نوے کروڑ سال ہوئے۔ زمین کی سطح کے نچلے حصوں میں جو گاد پہنچی تھی وہ بڑھنے لگی اور خشکی ہونے لگی۔ یہ زلزلوں کی وجہ سے تڑخنے لگی۔ جھیلوں سے پانی نکل کر بہنے لگا اور دریا شروع ہوئے اور سمندر پھیلنے لگے۔

تین ارب سال ہوئے۔ زندگی کم گہرے پانیوں کے سمندروں میں شروع ہونے لگی۔ غالباً اس زمانے میں چاند بہت نزدیک آ گیا اور خوفناک مدوجزر اٹھے اور بے شمار شہاب زمین پر گرنے لگے۔

ایک ارب سال ہوئے۔ برفانی دور آئے۔ زمین کی سطح بہتی برف سے ڈھک گئی۔

تین ارب سال ہوئے زندگی کم گہرے پانی کے سمندروں میں شروع ہونے لگی۔ اس زمانے میں بھی چاند بہت قریب آ گیا اور خوفناک مدوجزر اٹھے۔ بے شمار شہاب زمین پر گرنے لگے۔

۴۴۰ کروڑ سال ہوئے ساحل پر پودے اگ آئے۔ یہ سب سے پہلے پودے تھے ابتدائی ہر

پودے آہستہ آہستہ بڑھتے گئے۔ فرن، گھوڑا دم اور کلب موس ایسی نباتات بہت بڑی ہوگئی۔ اس دوران کبھی کبھی کومٹ (COMMETS) یعنی دم دار تارے آسمان پر سے گزرتے تھے۔

نظام شمسی کی بسیط فضا میں اللہ تعالیٰ نے ان سیاروں کے علاوہ لاتعداد دم دار تارے بھی پیدا کیے ہیں۔ یہ آگ کے کرّے ہوتے ہیں۔ اور ان کے قطر سینکڑوں سے لے کر ہزاروں کلومیٹر تک ہوتے ہیں۔ اور ان کی دم ہزاروں سے لے کر لاکھوں کلومیٹر لمبی ہوتی ہے۔

دمدار تارے جب سورج کے قریب آتے ہیں تو بے انتہا خوفناک ہو جاتے ہیں۔ ان کی رفتار میں تیزی اور بے انتہا چمک پیدا ہو جاتی ہے۔

دمدار تارے دہکتے ہوئے جہنم ہی سمجھیے۔ اگر زمین ان کی زد میں آجائے تو نباتات اور حیوانات جل کر راکھ ہو جائیں۔ ہوا اور پانی کے زبردست طوفانوں سے اور زلزلوں سے بستیاں نیست و نابود ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ایسا نہیں ہوتا۔ جو کام جہنم کے لیے مخصوص ہے وہ جہنم ہی سے لیا جاتا ہے اور اس کے لیے افلاک میں ایک خاص مقام مخصوص کر دیا گیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

دمدار تارے بھی بڑے ہی پراسرار اجرام ہیں اور قدیم زمانے ہی سے ان سے متعلق کئی حکایتیں اور روایتیں چلی آتی ہیں۔ کسی زمانے میں لوگ یہ قیاس کرتے تھے کہ ہڑپا، موہنجو داڑو بابل، سدوم، عمورہ ایسے قدیم شہر ان ہی دمدار تاروں کی تباہی سے تباہ و برباد ہوئے۔

قدیم زمانے کے بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ طوفان نوح بھی کسی دمدار تارے کی وجہ سے اٹھا تھا۔ سطح زمین کے ایک ہی عرض بلد پر ریگستانوں کا پایا جانا بھی کسی دم دار تارے کی تباہی کا سبب سمجھا جاتا تھا۔

زمانہ قدیم سے اہل زمین ان کو نحوست کی علامت اور آفات آسمانی کا پیش خیمہ قرار دیتے رہے ہیں۔ لوگوں نے ان کو آسمانی بھوت تک کہا۔

بعض دم دار تارے سورج کے گرد ایک مقررہ میعاد تک چکر لگاتے ہیں۔ مشہور دمدار تارہ ہیلی ۷۶ سال میں ایک چکر لگاتا ہے۔ دمدار تارے اچانک آسمان میں نمودار ہو کر دنیا کو ہراساں کرتے ہوئے اچانک ہی غائب ہو جاتے ہیں اور مدت تک نظر نہیں آتے۔ ان کا وجود، ان کا ظاہر ہونا اور ان کا غائب ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہی کا کرشمہ ہے۔ اور اس کا کوئی کام فعل عبث نہیں ہوتا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔

(۲۱-۱۶)

۴۰ کروڑ سال ہوئے براعظم وہاں نہیں تھے جہاں اب ہیں۔ خشکی اور پانی میں فرق آتا رہتا تھا۔ بعض نئے پودے دکھائی دیتے تھے۔ مچھلی اور رینگتے ہوئے جانوروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ ڈائنوسور نظر آنے لگے۔

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حیوانات کی تمام انواع و اجناس اپنی ذات میں مستقل ہیں۔ کسی سے منتقل ہو کر عالم وجود میں آئیں اور نہ کسی کی جانب منتقل ہوتی ہیں۔ یہ نہیں کہ مچھیاں اپنی حقیقت چھوڑ کر مینڈک کی شکل میں منتقل ہو گئی ہوں یا بلی کتے کی حقیقت کی طرف منتقل ہو گئی ہو بلکہ تمام انواع کے لیے جدا جدا اصول کا سلسلہ قائم ہے جن سے فروع کا توالد و تناسل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ سب سے پہلے فرانسیسی فلسفی، سائنس دان لامارک نے اس بحث کو اٹھایا کہ انواع کا آپس میں نقل و تحول ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انواع جدا جدا متمائز ہیں۔ جن میں تغیر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض انواع کا بعض میں تداخل اور ایک نوع میں تغیر ہو کر دوسری نوع کی طرف انتقال ہوتا رہتا ہے اور کسی نوع کے لیے ایسی متمائز حدود نہیں پائی جاتیں جو تحول و انقلاب کے منافی ہوں۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ تمام انواع ایک ہی زمانہ میں مخلوق نہیں ہوئیں بلکہ کائنات میں پہلے حشرات الارض عالم وجود میں آئے۔ پھر درجہ بدرجہ امتوں نے ترقی کی اور بعض کا بعض سے

توالدوتناسل ہوا اور اسی طرح ترقی کرتے کرتے بعض انواع دوسری انواع کی طرف منتقل ہوتی گئیں اس کا خیال ہے کہ اس تغیر وانتقال کے لیے دو چیزیں کارپرداز ہیں۔

(۱) ماحول: یعنی وہ تمام گردوپیش جس میں حیوان گھرا ہوا ہے کبھی اس کے مناسب حال نہیں ہوتا تو پھر وہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنے نفس کو اس طرح سنوارے کہ اپنے ماحول کے مطابق بن جائے۔

(۲) وراثت: یعنی وہ صفات جو اصل کے اندر موجود ہیں۔ اور اس سے فروع کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔

اس کو لامارک نے مذہب نشو وارتقا کا نام دیا۔

"نشو" اس لیے کہ بعض حیوانات سے نشو اور وجود ہوتا ہے اور ارتقا اس لیے کہ وہ پست نسل سے بلند نسل کی جانب ترقی کرتے ہیں

لامارک کے بعد ڈارون آیا۔ اُس نے اس مسلک ومذہب کی تشریح کی اور اس کو پھیلایا اور اس کے ثبوت میں اپنی مشہور کتاب اصل الانواع (ORIGIN OF THE SPECIES) لکھی اور اپنے مذہب ومسلک کی بنیاد ان قوانین پر رکھی جو آج زبان زد عام وخاص ہیں۔

(۱) قانون انتخاب طبعی (NATURAL SELECTION) یعنی لائق بقا اشیاء کے انتخاب کے لیے فطرت کا قانون۔

(۲) تنازع للبقا (STUREGGAL FOR EXISTANCE) یعنی زندہ رہنے کے لیے باہمی کشمکش۔

(۳) بقا الاصلح (SURVIVAL OF THE FITEST) یعنی زندہ رہنے کی صلاحیت والی مخلوق کی بقا۔

(۴) قانون وراثت یعنی نسلی اوصاف کی وراثت کا قانون۔

انتخاب طبعی کا مطلب یہ ہے کہ فطرت وقدرت موجودات میں سے ان اشیاء کو منتخب کرے جن میں بقا کی صلاحیت ہو۔ مثلاً حیوانات میں بے شمار تولد وتناسل ہوتا ہے مگر

Marfat.com

ان میں سے بہت ہی کم مقدار زندہ رہتی ہے۔ یہ فنا و بقا محض اتفاقات کا نتیجہ نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ جن اشیاء میں مختلف حوادث اور طبعی اعمال کی طاقت ہوتی ہے وہی اس عالم میں بقا کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی لیے قوی باقی رہتا ہے اور ضعیف فنا ہو جاتا ہے

پس فطرت و قدرت کا موجودات میں سے اصلح یعنی قابلِ بقا کا انتخاب کر لینا اور اس کو بقا کی سند بخشنا، اسی کا نام طبعی انتخاب ہے۔

تمام مخلوقات میں ایک سخت کشمکش پائی جاتی ہے۔ حیوانات کی انواع میں ایک جنگ عظیم جاری ہے۔ شیر بھیڑیے کو پھاڑ ڈالتا ہے۔ بھیڑیا بھیڑ کو اور انسان بذات خود زندہ رہنے کے لیے سیکڑوں جانوں کی چیر پھاڑ کرتا ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ جب کوئی شے تمام افراد کے لیے کفایت نہیں کرتی تو ایک ہی نوع کے افراد آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ گوشت کے ایک ٹکڑے کے لیے بلیوں یا کتوں کی باہمی جنگ اسی کا جرثومہ ہے اور مختلف اشیاء کے لیے انسان کی باہمی کشمکش اسی کا مظاہرہ ہے۔ اسی کشمکش اور تنازعہ کا نام جو افراد یا انواع کے درمیان اپنی بقا اور حیات کے لیے نظر آتا ہے۔ تنازع للبقا ہے۔

ڈارون اور اسپنسر جب لفظ ارتقا استعمال کرتے ہیں تو اس میں نشوونما کا مفہوم بھی شامل ہے۔ مگر یہ امر بھی واضح رہنا چاہیے کہ نشوونما میں نئی اشکال کی پیدائش نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ موجود ہوتا ہے اس کا لازمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ نشوونما محض افراد ہی کا نہیں ہوتا بلکہ اقوام کا حتیٰ کہ نظامہائے مادیہ تک کا بھی ہوتا ہے۔ ڈارون کے نزدیک ارتقا کے معنی یہ ہیں کہ کل جاندار، انواع نباتات، حیوانات اور انسان سب کے سب دراصل زندگی کی کم ترقی یافتہ شکلوں سے ترقی کر کے عالم وجود میں آتے ہیں۔ اور بقاء اصلح ایک ایسی تدبیر ہے جس کے ذریعہ سے ارتقاء واقع ہوتا ہے۔

ڈارون کو زیادہ تر انواع کے طبعی ارتقا سے دلچسپی تھی مگر اسپنسر ارتقا سے صرف اجسام کے طبعی نشوونما (حیاتیات) ہی سے کام نہیں لیتا بلکہ انسان کی اخلاقی نشوونما (اخلاقیات

Marfat.com

اور معاشرتی ارتقا (اجتماعیات)

میں بھی اس کو استعمال کرتا ہے۔ اور وہ ڈارون کے تعقل ارتقا یعنی انواع میں باہمی امتیازات کے ساتھ ساتھ نشو و ارتقا کو بھی تسلیم کرتا ہے بلکہ اس میں زیادہ وسعت اور عمومیت پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ارتقا ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے ہم جنس مختلف جنس اور سادہ و پیچیدہ بن جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے پیش نظر وہ طبعی و تدریجی ارتقا ہے جس سے خالق کائنات کو اپنی قدرت کی صناعی و نقاشی کا اعتراف کرانا ہے کہ یہ تمام انواع پست خلیہ سے لے کر بلند انسان تک ایک ہی قدرت کی کاریگری ہے اور انسانوں میں اس ارتقا کی انتہائی ترقی یافتہ صورت معراج مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ایک ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل بن کر فرش سے عرش تک جا پہنچا۔ قادر مطلق کی حکیمانہ تخلیق نے اس مطہر و اہ ہر مٹی کو ان ارتقائی مقاماتِ بلند تک ہی پہنچایا جہاں کا وہ خمیر تھی۔

اور اس سے ایک اور حقیقت کا بھی اعلان ہوا کہ اگرچہ کائنات کی ہر نوع ایک مستقل اور غیر تدریجی مخلوق ہے مگر ان انواع کا وجود بلاشبہ ترتیبی ہے اور ایک ہی مسلک میں منسلک ہے۔

یعنی خدائے تعالیٰ نے حیات و زندگی کے لیے سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وھوالذی خلق السّٰمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء۔

اور خدا وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا یعنی پانی آسمان اور زمین سے پہلی مخلوق ہے۔

اور پھر اس کو مبدء حیات بنایا۔

Marfat.com

وجعلنا من الماء کل شیٔ حیّ

اور ہم نے پانی سے ہر ایک جاندار کو زندگی بخشی۔

اس کے بعد اُس نے زمین کو مخلوق کیا اور پہاڑوں کو اس پر قائم کیا اور زمین کو اس قابل بنایا کہ اُس میں نباتات کی روئیدگی ہو سکے۔

والارض مددنٰھا والقینا فیھا رواسی وانبتنا فیھا من کل شیٔ موزون واللہ خلق کل دابۃ من ماء فمنھم من یمشی علی بطنہ ومنھم من یمشی علی رجلین ومنھم من یمشی علی اربع یخلق اللہ مایشاء ان اللہ علی کل شیٔ قدیر

اور ہم نے (پانی پر) زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑوں کو رکھ دیا۔ اور اس میں ہر ایک مناسب چیز اگا دی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک جاندار کو پانی سے پیدا کیا تو کوئی ان میں وہ ہے جو پیٹ کے بل چلتا ہے اور کوئی ان میں وہ ہے جو چار پاؤں پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور ان تمام مخلوقات سے بلند و بالا مخلوق انسان ہے۔

تاریخ مذاہب عالم اور علم آثار ارض بھی اس ترتیبی و تدریجی تخلیق کا پتہ دیتی ہے۔ اور یہی صحیح اور قرین قیاس ہے۔ لہٰذا تنازع للبقا، انتخاب طبعی اور بقاء اصلح جیسے نوامیس فطرت سے غلط نتیجہ نکال کر ایک ترتیبی مخلوق کو غیر ترتیبی قرار دینا ایک ناقابل تسلیم دعویٰ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ تدریجی ارتقا کے لیے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اربوں برس کی عمر درکار ہے اور پھر پست مخلوق سے شروع ہو کر تخلیق انسان تک کے تمام درجات اگر پورا حساب لگایا جائے تو سائنس دانوں نے زمین کی زیادہ سے زیادہ جو عمر تجویز کی ہے وہ بھی

ان مدارج کے لیے ہرگز کفایت نہیں کرتی۔ ہمارا تدریجی ارتقائی تصور یہ ہے کہ خدا نے چھ سات روز میں زمین و آسمان پیدا کیے اور باقی بہت کچھ تخلیقی کام ایسا تھا جو تدریجاً ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ خدا کی یہ مرضی تھی کہ وہ سب کچھ تدریجی ارتقائی عمل سے ہو۔ اگر چھ دن میں زمین و آسمان کا پیدا ہو جانا خدا کی قدرت کاملہ کا ایک حیران کن کرشمہ ہے تو بیج سے پودا، پودے سے تدریجاً درخت بننا اور اس میں پھل پھول آنا بھی خدا کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے اور یہ بھی کچھ کم حیران کن نہیں۔ اور خدا تو اس سے بھی زیادہ قدرتوں اور ندرتوں کا مالک ہے۔ اس نے کہا ہو جا اور ہو گیا۔ اور خدا نے انسان کی تخلیق میں یہ نہیں کہا کہ ہو جا بلکہ ایک تدریجی عمل اختیار کیا۔ پہلے ملائکہ سے مٹی منگوائی۔ پھر اس کو زم کیا۔ آدم کا پتلا بنایا اور پھر اس میں روح پھونکی جب کہ یہ ارتقائی عمل خدا کے ہو جا کہنے سے بھی ہو سکتا ہے لیکن اس نے تدریجی عمل اختیار کیا مگر ایسا نہیں جیسا کہ مادیت کی بھول بھلیاں ہے کھو جانے والے سائنس دان انسان کے تخلیقی عمل کی وضاحت میں نیم بناتی۔ نیم حیوانی اور نیم انسانی صورتوں کی بھول بھلیاں میں کھو جاتے ہیں۔ ہمارے مسلک و مذہب میں تدریجی و طبعی ارتقا کے وہ معنی نہیں جو ڈارون کے تدریجی ارتقا کے ہیں۔ ہمارے پاس اس تدریجی و طبعی ارتقا کی ایک بڑی درخشندہ مثال معراج مصطفےٰ ہے۔ شب معراج کیا خدا ایسا نہ کر سکتا تھا کہ مقام اتصال پر اپنے حبیب کو پلک جھپکنے میں بلا لیتا۔ خدا کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہ تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے قاب و قوسین و مقام ادنیٰ تک پہنچے۔ خدا کی یہی مرضی تھی اور خدا کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں کہ انسان یقیناً تمام مخلوقات میں اپنی ترکیب کے اعتبار سے بلند مخلوق ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

ہم نے انسان کو بہترین قوام میں بنایا۔

اور اسی لیے انسان ہر اعتبار سے برگزیدہ اور صاحب فضیلت ہے۔

Marfat.com

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ

بلاشبہ ہم نے بنی آدم کو برتری بخشی۔

نیز انسان کی تخلیق مستقل وجود سے عمل میں آئی ہو یا تدریجی ارتقا کا نتیجہ ہو کل کائنات ایسے یکتا قوانین قدرت اور نوامیس فطرت کے مرتب اور منظم اصولوں میں جکڑی ہوئی ہے جو کسی حکیم مطلق اور بے قید مالک قدرت کی ہستی کے بغیر ناممکن ہے۔

قل من بیدہ ملکوت کل شئ وھو یجیر ولا یجار علیہ

ان کنتم تعلمون ۰ سیقولون للہ۔

تو ان سے پوچھ اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ وہ کون ہے۔ جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی جو اس سے اوپر پناہ دینے والا ہو تو وہ فوراً جواب دیں گے۔ اللہ کے قبضہ میں۔

ہم کو انسان اور انسان کے علاوہ تمام مخلوقات میں نفسِ ارتقا کا بھی ہرگز انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ قرآن کریم میں انسانی تخلیق سے متعلق اس مسئلہ کو ایک عجیب معجزانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من سُلٰلۃٍ من طین ۰ ثم جعلنٰہ نُطفۃً فی قرارٍ مکین ۰ ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظٰما فکسونا العظٰم لحما ثم انشانٰہ خلقا اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

اور دیکھو یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے ہی بنایا ہے پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا۔ ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا پھر علقہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا پھر اس میں ہڈی کا ڈھانچہ پیدا کیا اور پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھا دی پھر دیکھو کس طرح ان سے بالکل

Marfat.com

ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا۔ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔

پس جس طرح ان ترتیبی درجات کے ذریعہ رحم مادر میں اس کا نشوونما کیا گیا اسی طرح وہ دنیا میں آکر بھی جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے نشوونما میں ترقی پذیر رہا ہے۔

پھر یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اگر تنازع للبقا کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے کے درمیان اسی بقاوفنا میں کشمکش کا سلسلہ جاری ہے اور نوامیس قدرت کے اور اس شے کی اپنی بقاء کے درمیان جنگ بپا ہے تو یہ ایک ایسا بدیہی اور سادہ قانون ہے جس سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا۔ اور جو کسی فلسفی کے انکشاف واکتشاف کا محتاج نہیں ہے۔

مختلف اشیاء کی باہم کشمکش اور ایک شے کے افراد کے درمیان تنازع اور اقوام و امم کے مابین کشاکش کائنات میں ایسی یقینی حقیقت ہے جو دلائل کی حدود سے گزر کر ہدایت اور مشاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے، اور اسی حقیقت کو قرآن حکیم اس طرح واضح کرتا ہے۔

ولولا دفع اللہِ الناس بعضھم ببعضٍ لفسدت الارض

اسی طرح انتخاب طبعی سے یہ مراد ہے کہ یہاں قوت وضعف کی جنگ میں قوت کو بقا اور ضعف کو فنا ہے۔ تو یہ امر بھی حقیقت نفس الامری ہے۔ اور جانداروں کی ہستی کے فنا و بقا ہی میں نہیں بلکہ تمام شعبہ زندگی میں نافذ و حاکم ہے حتیٰ کہ مذہب کی نگاہ میں بھی ضعف جسمانی ہو یا روحانی، مادی ہو یا غیر مادی قابل مذمت ہے نہ کہ قابلِ مداح وستائش اور قرآن حکیم کی اس آیت میں

واَعِدُّوا لھم ما استطعتم من قوۃٍ ومن رِباطِ الخیل

اور اپنی طاقت بھر قوت اور (اسباب قوت) گھوڑے کی پرورش (وغیرہ) سے تیاری کرو۔

اسی انتخاب طبعی کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بقاوفنا کے معاملہ میں حقیقی قوت وضعف

Marfat.com

کو ہی معیار قرار دیا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ اس کا انتخاب طبعی کا قانون جسمانی اور اخلاقی دونوں قوتوں کا ایک ساتھ طالب ہے اگر انسان کے اندر یہ دونوں قوتیں جمع ہیں تو اس کے لیے حقیقی بقا کا وعدہ ہے اور اگر دونوں جمع نہیں ہیں تو جسمانی قوت کے باوجود اس کا اخلاقی و روحانی ضعف ایک نہ ایک دن مناسب ماحول پیدا کر کے اس کو ضرور فنا کے گھاٹ اتار دے گا۔

اسی لیے ارشاد ہے۔

ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ (مائدہ)

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ (بقرہ)

اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو کہ یہی بات زیادہ نزدیک اللہ سے۔ تقویٰ ہے۔

اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ مٹ جائے اور دین خالص اللہ کے لیے ہی ہو جائے پس اگر وہ فتنہ سے باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر سرکشی جائز نہیں ہے۔

اور بلاشبہ صلح ہی کے لیے بقا و دوام ہے اور یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میں چونکہ قوت جسمانی کے ساتھ ساتھ عدل و تقویٰ کی بیش از بیش فراوانی تھی اور وہ دونوں قوتوں کے مالک اور کامل انسان تھے باوجود کمی کے خدا کے نافرمانوں پر بھاری پڑے اور کامیاب ہوئے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔

خدا نے جن پر انعام و اکرام کیے یہی لوگ ہیں جو نبی ہیں یا صدیق یا شہید ہیں یا صالحین

Marfat.com

اور سبھی اچھے رفیق ہیں۔

اور ان کے بے نظیر و بے مثال اخلاقی، روحانی اور جسمانی قوائے عمل کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ان کے ماننے والوں کی حاکمانہ یا مقتدرانہ تاریخ کی مدت تمام گزشتہ تاریخی ادوار کے مقابلہ میں طویل اور دیرپا نظر آتی ہے اور آج بھی اقوام و امم میں یہی قانون فطرت کام کر رہا ہے اور جس قوم کا مزاج بھی مادی قوت کے گھمنڈ پر اخلاقی و روحانی قوی کو تباہ و برباد کر کے عدل و تقویٰ کی بجائے ظلم و سرکشی پر آمادہ کر دیتا ہے وہ اقوام و امم کی بقا و فنا کی مدت کے اعتبار سے بہت جلد فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔

بہرحال ارتقاء طبعی و تدریجی خلاف محال عقلی اور ناممکن درجہ نہیں۔ دونوں راہوں کا صاف اور روشن راستہ یہ ہے کہ جو امور وحی الٰہی اور سچے رسولوں کی یقینی تعلیم کے ذریعے روشن اور واضح ہو چکے ہیں ہم ان کو اٹلی غیر مقبول سمجھیں اور یقین کریں کہ علوم کی تحقیقات آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے ہٹتی رہے گی۔ اور ایک دن قرآن حکیم کے مسلمہ اصولوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گی۔

اللہ کی عظمتوں کو جاننے کے لیے کائنات کا مطالعہ بے حد ضروری ہے کیونکہ کائنات اور اس کے مظاہر کا مطالعہ خالق کائنات کی عظمتوں پر پڑے ہوئے پردے چاک کرتا ہے، اور اس کی عظمتوں کو ظاہر کرتا ہے اور دماکات معراج بھی اسی سلسلے کی زریں کڑیاں تھے مگر کچھ اذہان پر لاعلمی کی کچھ ایسی دھند چھا رہی ہے کہ حیرت سے یہ سوال کرتے ہیں کیا افلاک کی پنہائیوں میں دریا بھی ہیں؟ چشمے بھی ہیں۔ دودھ و شہد کی نہریں بھی ہیں؟ جہنم اور جنت بھی ہے؟ باغات و قصور بھی ہیں؟ اتنے جسیم و قدآور فرشتے بھی ہیں جس کا جواب سائنس

ان کو یہ دیتی ہے کہ ہماری زمین بھی ایک سیارہ ہی تو ہے۔ اس میں دریا ہیں۔ سمندر ہیں۔ پہاڑ ہری بھری وادیاں ہیں۔ ان میں پھوٹتے ہوئے چشمے اور دھل دھل بہتی ہوئی نہریں ہیں۔ خوشنما پرندے اور پودے ہیں۔ ہمارا سیارہ زمین بڑے ہی دلکش و دلفریب مناظر کا حامل بھی ہے۔

اور سائنس کے جدید مشاہدے تو مریخ میں بھی زندگی کی موجودگی کا اعلان کر رہے ہیں مریخ میں بھی انسانی زندگی کے مماثل کئی آثار نظر آئے ہیں۔ اور کون جانتا ہے کہ خلا کی پنہائیوں میں کہاں کہاں ایسے ستارے اور سیارے موجود ہیں جن میں وہ سب کچھ ہے جو ہمارے سیارے زمین میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمتیں بے شمار ہیں۔ کچھ تو ظاہر ہیں کچھ پوشیدہ ہیں۔ بعض ایسی عظمتیں بھی ہیں جو سوائے تحقیق کے ہم پر ظاہر نہیں ہوتیں۔

Marfat.com

نماز معراج المومنین

شب معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المعمور کے قریب پہنچے تو سرخ یاقوت کے محلات و قصور دیکھے۔ ان کے دروازے زمرد کے سبز رنگ کے تھے۔ اور سچے موتیوں کی ہزاروں قندیلیں ان میں لٹک رہی تھیں۔ اور چاند سورج سے زیادہ روشنی دے رہی تھیں۔

ستر ہزار فرشتے جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں عرش کے نیچے دریائے نور میں غسل کر کے باہر آتے ہیں۔ اور نور کی چادریں بدن پر ڈال کر احرام باندھتے ہیں۔ بیت المعمور کا طواف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لبیک۔ لبیک۔ لبیک

یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے یہاں کرسی کے معنی عرش کے ہیں۔ عرش وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ رونق افروز ہوتے ہیں۔ اس عرش کی اتنی وسعت بتائی گئی ہے کہ آسمان و زمین اس کے احاطے میں آجاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ (۵۷-۲۱)

تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعتوں کے برابر ہے۔

اس مقام پر حضرت جبریل علیہ السلام رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک

پکڑ کر بیت المعمور میں لے آئے اور کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام فرشتوں کی امامت کیجیے۔ جیسے زمین پر آپؐ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور میں تمام فرشتوں کو نماز پڑھائی۔

نماز دین کا ستون، نماز دین کا نقطہ ماسکہ ہے۔

نماز افضل الجہاد ہے۔

نماز گناہوں کا کفارہ ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔

نماز مومنوں کی معراج ہے۔

معراج سے واپسی پر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نماز ہی کا تحفہ لے کر آئے تھے۔

حجاباتِ عظمت

شبِ معراج رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو حجابات عظمت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ جو ہر ایک پانچ سو سالہ فاصلے پر تھا۔ اور اسی قدر چوڑا تھا۔

پھر ان کے علاوہ حجابات عظمت کا ایک اور عظیم الشان سلسلہ شروع ہوا جن میں ستر ہزار زنجیریں تھیں اور ہر زنجیر ستر ہزار فرشتوں کی گردن پر رکھی تھی۔ اور ان میں سے ہر فرشتہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک ستر سال کی مسافت کا راستہ تھا ان حجابات میں کچھ تو مروارید کے، کچھ یاقوت کے اور کچھ دیگر جواہرات کے تھے اور ہر حجاب پر ایک فرشتہ متعین تھا اور ان میں سے ہر فرشتے کے تابع ستر ہزار فرشتے تھے۔

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان حجابات عظمت سے گزر کر مقام قاب قوسین میں پہنچے۔ جہاں آپؐ نور ہی نور میں تنہا کھڑے تھے۔ حجابات عظمت کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر سمجھتا ہے شکوک و شبہات کی دھند دور کرنے کے لیے اجرام فلکی کی گیلکسیاں ((GALAXIES)) ہی کافی ہیں۔

ہم سب کہکشاں ((GALAXY)) سے واقف ہیں۔ یہ تاروں کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے۔ ہماری کہکشاں بھی ایک گیلکسی ہے۔ جس میں ایک کھرب سے بھی زیادہ تارے ہیں جس میں ہمارے سورج کے مماثل اور اس سے چھوٹے بڑے تارے ہیں۔ جن کا مجموعی مادہ تقریباً ایک کھرب سورجوں کے مادہ کے برابر ہے۔ جس کے وزن کا اندازہ ۲ کے بعد ۳۸ صفر ٹن کیا گیا ہے۔ جس پر اگر غور کریں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ہر تارے کے درمیان کم سے کم

Marfat.com

کھربوں میلوں کا فاصلہ ہے۔ اور بہت بڑے تارے اس سے بھی زائد فاصلہ رکھتے ہیں۔ اور ہر تارے کا اپنا ایک الگ نظام ہے۔ بعض تارے منفرد حیثیت رکھتے ہیں اور بعض کے اطراف سیارے ہیں جیسا کہ ہمارے سورج کے اطراف۔ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض سیاروں پر زندگی بھی پائی جاتی ہو۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انسانی شکل کے مماثل ہے یا کسی اور طرح کی۔ کہکشاں کا قطرہ ۸۰ ہزار نوری سال سے بھی زیادہ ہے یعنی برقی روشنی جو زمین کے گرد ایک سیکنڈ میں سات مرتبہ چکر لگا سکتی ہے۔ اور سورج سے زمین تک کا فاصلہ ۸ منٹ میں طے کر سکتی ہے۔ وہ کہکشاں کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جانے کے لیے ۸۰ ہزار سال لگائے گی۔

کہکشاں کے مرکز سے سورج کا فاصلہ ۳۲ ہزار نوری سال ہے۔ کہکشاں بھی اپنے محور کے گرد گھومتی ہے اور اس گردش میں سورج بھی ساتھ ساتھ گھومتا ہے۔ سورج نے اس کی پیدائش سے اب تک اس کے محور کے گرد پانچ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پانچ ارب سالوں میں ۲۰ چکر لگائے ہیں۔

یہ نہ سمجھیے کہ کائنات کی حدیں کہکشانی وسعت کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔ کائنات صرف نظام شمسی کو ہی نہیں کہتے۔ اس عظیم کہکشاں کو بھی نہیں کہتے بلکہ اس عظیم ترین وسعت کو کہتے ہیں جس میں ایسی کھربوں، کہکشائیں موجود ہیں۔ کائنات میں اس عظیم کہکشاں کی حیثیت بھی ایسی ہی ہے جیسے زمین پر پائے جانے والے سمندروں کے مماثل کئی سمندروں کے پانی کا صرف ایک قطرہ۔

آسمان پر برہنہ آنکھ سے اس کہکشاں کے علاوہ تین اور کہکشائیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں ایک اینڈرومیڈا (ANDROMEDA) اور دوسرے دو میگلانک کلاوڈز (MAGELLANIC CLOUDS) اینڈرومیڈا سب سے بڑی گیلکسی ہے اس میں سینکڑوں عظیم اور عظیم ترین تارے ہیں جو انٹارس اور ٹیل گیز سے بھی کئی گنا بڑے اور

Marfat.com

منور ہیں۔ یہ گلیکسی ہم سے ۲۱ لاکھ ۸۰ ہزار نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں۔ ان کہکشاؤں میں بے حد منور تارے بھی پائے جاتے ہیں۔ نور کے کُرے۔

یہ تو ہیں برہنہ آنکھ سے نظر آنے والی کہکشائیں یعنی گلکسیاں مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھوں کی دیکھنے کی حد سے بھی آگے گلکسیاں ہی گلکسیاں بنا رکھی ہیں جو سوائے دوربین کے نظر نہیں آتیں۔

مونٹ ولسن پالومار (MOUNT WILSON PALOMAR) کیلیفورنیا کی رصدگاہ میں نصب شدہ دوسو انچ کی دوربین سے تقریباً ایک ارب گلکسیاں بیک وقت دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس وسیع کائنات میں چاروں طرف گلکسیاں ہی گلکسیاں ہیں جو کھربوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔ جن کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ جن کا علم صرف اللہ ہی کو ہو سکتا ہے۔

ان گلکسیوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف شکلوں کا بنایا ہے جو صرف گردش کرتے اور چمکتے اجسام ہی نہیں بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ نے زبردست برقی قوت پوشیدہ رکھی ہے۔ ان میں پائے جانے والا مادہ طاقتور ریڈیو ویوز (RADIO WAVES) ریڈیائی لہروں کو خارج کرتا ہے۔

بعض گلکسیاں جن کے آخری کنارے بے انتہا لانبے ہوتے ہیں کبھی اپنی محوری گردش کے دوران ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں تو زبردست دھماکے کے ساتھ بے انتہا طاقتور ریڈیائی لہریں خارج کرتے ہیں۔

ان گلکسیوں کے علاوہ تاروں کے جھرمٹ یا مجموعے بھی ہیں جن کو کلسٹرز (CLUSTER) کہتے ہیں۔ ان میں تاروں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہوتی ہے۔ ان میں سے تاروں کی دو مجموعے ہمارے قریب ہیں۔

۱۔ ورگو (VIRGO)

۲۔ کوما (COMA)

Marfat.com

کوما جھرمٹ کا فاصلہ ہماری زمین سے ۳۰ کروڑ نوری سال ہے۔ اس کے ستاروں کی روشنی ان کے وجود میں آنے کے بعد آج تک زمین پر نہیں آسکی۔ اس کو نور کی رفتار سے ہم تک آنے کے لیے ایک مدت درکار ہے۔ فضائے بسیط میں ایسے بہت سے تارے ہیں جن کی روشنی کو زمین تک آنے کے لیے لاکھوں اور کروڑوں سالوں کا وقت لگے گا۔ یعنی ان کی روشنی ابھی خلا میں کہیں راستے ہی میں ہے۔

گلکسیوں اور کلسٹروں کو دیکھنا انسانی قوت سے باہر ہے۔ اس لیے کہ وہ بے انتہا دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر ہم دوربین سے نظر آنے والی آخری گلکسی پر پہنچ جائیں اور پھر اسی دوربین سے آگے دیکھنے لگیں تو ہم کھربوں میل تک گلکسیاں ہی گلکسیاں نظر آئیں گی۔ ایک کے بعد ایک اور یہی کیفیت حجابات عظمت کی تھی۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے بعد ایک حجاب سے گزرے۔ نورانی پردے ہی پردے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت کے مظاہر ہر ہر طرف نور ہی نور جس میں امام الانبیاء ہی جا سکتے تھے کسی دوسرے انسان کی کیا مجال ہے لیکن یہ سب کچھ خدا کی رحمت و عظمت ہی سے ممکن ہوا جس نور سے فرشتوں کے پر جل جاتے ہوں اس کا متحمل ہونا احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ فخر موجودات، سید لولاک، محمد المزمل المدثر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان ہے۔

Marfat.com

معراج سے واپسی

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو آپؐ کا بستر بدستور گرم تھا اور دروازے کی کنڈی بدستور ہل رہی تھی۔ جب کہ حضورؐ مکاں سے لامکاں کا سفر کر آئے تھے اور اتنے عرصہ میں کہ واپسی پر حضورؐ کا بستر بدستور گرم تھا اور دروازے کی کنڈی ابھی تک ہل رہی تھی۔

زماں و مکاں کا یہ ایک ایسا معمہ ہے جسے ایک عام ذہن تو کجا ماورائے کائنات کے اسرار کی گتھیوں کو سلجھانے اور رفتار نور کے اصول ثابتہ کے ماہرین اور سائنس کے انقلاب پسند فلسفی بھی چکرا کے رہ جاتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم زماں و مکاں کی تسخیر کے اس لاینحل معمے کو حل کریں۔ قرآن کے ایجاد کردہ اعداد کو مخفف کرنے کے طریقے ہی سے اسے دیکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

(۲۲-۴۷)

ایک اور جگہ ایک دن کو ہمارے پچاس ہزار سال کے برابر بتایا گیا ہے۔

(۷۰-۴)

حدیثوں میں بھی فاصلوں کو میلوں میں بتانے کے بجائے برسوں کی راہ میں بتایا گیا ہے چنانچہ اسی اصول کو اپناتے ہوئے وسیع اعداد سے بچنے کے لیے موجودہ سائنس دان دس لاکھ کو ایک ملین کہنے لگے اور اٹھارہ کھرب میل کے فاصلے کو جو روشنی ایک سال میں

Marfat.com

طے کرتی ہے، نوری سال کہا جانے لگا۔ سورج سے زمین کے فاصلے کو اکائی تصور کر کے
اس کو پارسک ((PARSEC)) کہنے لگے۔

بہرحال ہارمونیا میکرو کاسمیکا ((HORMONIA MICRO COSMICA)
میں زمان و مکان اور رفتارِ نور سے متعلق ماہرین طبیعات لازنسز نیلز بوہر۔ لورنتیس ایڈمنڈ وٹکر۔ ہائز برگ۔ پاولی۔ آئن سٹائن۔ کوردلیف۔ پوئن کیرے اور میکس بورن نے جو نظریے قائم کیے ان سے زمان و مکان اور رفتارِ نور کے مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

جس زمانے میں آئن سٹائن اپنی تکوینیات ((COSMOLOGY)) کو مکمل کر رہا تھا۔ اسے ایک عجیب و غریب مظہر کی خبر نہ تھی جو فلکیات کے افق پر نمودار ہوا تھا۔ اس کی توجیہ و تشریح کئی سال بعد ہوئی۔

آئن سٹائن نے فرض کیا تھا کہ جس طرح گیس کے اندر سالمے بے مقصد مارے مارے پھرتے ہیں۔ اسی طرح ستاروں اور کہکشاؤں کی حرکت بھی بے تکی ہے۔ چونکہ ان کی حرکت میں کسی قسم کا اتحاد و آہنگ نہ تھا۔ اس لیے اس نے انہیں نظر انداز کر دیا اور کائنات کو ساکن تصور کر لیا۔

لیکن ماہرین فلکیات دوربینی نظر کی انتہائی حدود میں واقع بیرونی کہکشاؤں میں ایک باقاعدہ حرکت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دور دراز کی تمام کہکشائیں یا کائناتِ جزیرے ہمارے نظامِ شمسی سے اور ایک دوسرے سے پرے ہٹتے جا رہے ہیں۔

دور دراز کی ان کہکشاؤں (جن میں سے بعض ہم سے پچاس کروڑ نوری سال دور ہیں) کا یہ باقاعدہ فرار ہمارے نزدیک تجاذبی نظاموں کی سست گردش سے بالکل مختلف ہے اس لیے کہ اس قسم کی باقاعدہ حرکت ساری کائنات کے انحنا پر اثر انداز ہوگی۔

اس لیے کائنات ساکن نہیں ہے بلکہ یہ قریب قریب اسی طرح پھیل رہی ہے جیسے صابن کا بلبلہ یا غبارہ پھیلتا ہے۔ لیکن یہ مماثلت پورے طور پر درست نہیں کیونکہ ہم کائنات

کو ایک داغ دار غبارہ تصور کریں اور داغ دار مادے کی تعبیر کریں تو توقع کی جائے گی کہ غبارہ کے ساتھ داغ بھی پھیلیں گے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ پھر تو ہم پھیلاؤ کو کبھی محسوس ہی نہ کر سکیں گے جیسے ایلس ((ALICE)) کو عالم عجائبات میں اشیا کی جسامت میں یکایک تبدیلی نظر نہیں آئے گی۔ اگر سارا ماحول اس کے ساتھ ساتھ پھیلے اور سکڑے۔ اس لیے جیسا کہ ایک ماہر تکوینیات روبرٹسن نے کہا کہ اگر کائنات کو داغ دار غبارہ تصور کرتے ہیں تو ہمیں داغوں کو غیر لچکدار فرض کرنا ہوگا۔ جو غبارے کی سطح پر سلے ہوئے ہیں۔ مادی اجسام کی جسامت مستقل رہتی ہے لیکن ان کی درمیانی فضا پھیل جاتی ہے۔

اس غیر معمولی مظہر نے تکوینیات میں نہبت سا الجھاؤ پیدا کر دیا۔ اگر طیف نگاری تجزیہ (جو ان بیرونی کہکشاؤں کے دور ہٹنے کی نشان دہی کرتی ہے) کی شہادت درست ہے (جیسا کہ بہت سے ماہرین فلکیات کا یقین ہے) تو جن رفتاروں سے یہ کہکشاں فضائے بسیط سے باہر نکلتے جا رہے ہیں ناقابلِ یقین ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں ان میں فاصلہ بڑھتا جاتا ہے ان کی رفتاروں میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

نزدیکی کہکشائیں جو لاکھ نوری سال دور ہیں ۱۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کر رہی ہیں لیکن جو کہکشاں ۲۵ کروڑ نوری سال دور ہیں وہ ۲۵۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی ناقابلِ یقین رفتار (جو روشنی کی رفتار کا ساتواں حصہ ہے) سے حرکت کر رہی ہیں۔

چونکہ یہ ساری دور دراز کہکشائیں بلا استثنیٰ ہم سے اور خود ایک دوسرے سے دور ہٹتی جا رہی ہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آفاقی وقت کے کسی عہد میں وہ ایک دوسرے کے بہت نزدیک ہوں گی۔ اور ابتدائی گرم مادے کی صورت میں یکجا ہوں گی۔

اگر فضا کا ہندسہ اسی مادے سے تشکیل پاتا ہے جو اس میں موجود ہے تو ان کہکشاؤں سے قبل ((PREGALATIC)) کے دور میں کائنات بے حد تنگ، مختصر اور مادے سے بھری ہوئی جگہ ہوگی جس کا انحنا بہت زیادہ ہوگا اور جس میں مادہ انتہائی کثیف حالت

Marfat.com

میں ہوگا۔

رجعت کرتی ہوئی کہکشاؤں کی رفتار کا لحاظ رکھتے ہوئے حساب لگایا گیا ہے کہ انہوں نے اس سکڑی ہوئی کائنات کے مرکز سے کوئی ۲ ارب سال پہلے بھاگنا شروع کیا تھا۔

پھیلتی ہوئی کائنات کے معمے کو حل کرنے کے لیے فلکیات اور تکوینیات کے ماہرین نے کئی نظریے پیش کیے ہیں۔ بلجیم کے تکوینی عالم ایبے لی میتر نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ کائنات ایک بہت بڑے ابتدائی جوہر کے پھٹنے سے وجود میں آئی تھی۔

اس کے دھماکے سے پھیلاؤ کا آغاز ہوا۔ جو اب تک جاری ہے۔ اسی قسم کا ایک اور نظریہ یہ ہے کہ پھیلاؤ کا آغاز ہونے سے پہلے کیسے ترکیبی عناصر کائنات کے شعلہ فشاں مرکز میں زور سے راہ پا گئے ہوں گے۔

ڈاکٹر گیمو کا خیال ہے کہ ابتدا میں کائنات کا مرکز محض اولین بخارات کا جہنم تھا۔ جو ان ناقابلِ قدر درجات حرارت پر کھول رہا تھا جو آج کل ستاروں کے اندر بھی نہیں پائے جاتے۔

سورج اوسط درجے کا ایک ستارہ ہے۔ اس کی سطح پر درجہ حرارت ۵۵۰۰ درجہ سنٹی گریڈ ہے اور اندرونی حصوں میں چار کروڑ درجہ سنٹی گریڈ۔ اس زبردست حرارت میں نہ عناصر تھے نہ سالمے اور نہ جوہر تھے۔ صرف آزاد نیوٹرون تھے جو بے ترتیبی سے حرکت کر رہے تھے۔ جب کائناتی مادہ پھیلنے لگا تو درجہ حرارت گرنے لگا اور جب یہ گر کر ایک ارب درجہ رہ گیا تو نیوٹرون منجمد ہو کر مجموعے بن گئے۔ برقیے نکلے جو مرکزوں سے منسلک ہو گئے اور ایٹم بن گئے۔

کائنات کے سارے عناصر صبح آفرینش کے چند اہم لمحات میں تخلیق ہو گئے اور اس منصب بعد کے دو ارب سالوں کے مسلسل پھیلاؤ کی مدت کے لیے طے ہو گیا۔

Marfat.com

کیلی فورنیا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے ڈاکٹر ٹولمن نے پھیلتی ہوئی کائنات کے نظریے میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ممکن ہے کائنات کا پھیلاؤ ایک عارضی کیفیت ہو اور اس کے بعد مستقبل کے کسی عہد میں سکڑاؤ شروع ہو جائے۔

اس تصویر میں کائنات ایک سکڑتا پھیلتا غبارہ ہے جس میں سکڑنے اور پھیلنے کا عمل یکے بعد دیگرے مدت العمر ہوتا رہتا ہے۔ سکڑنے اور پھیلنے کے یہ دور کائنات میں مادے کی مقدار کے تابع ہیں۔ (اس لیے کہ آئن سٹائن ثابت کر چکا ہے کہ کائنات کے انحنا کا انحصار اسی مادے کی مقدار پر ہے)

اس نظریے میں دقت یہ ہے کہ اس میں فرض کیا گیا ہے کہ فضائے بسیط میں کہیں نہ کہیں مادے کی تخلیق ہو رہی ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ کائنات میں مادے کی مقدار ہمیشہ بدلتی رہتی ہے لیکن یہ تبدیلی یک طرفہ ہے اور مادہ فنا ہو رہا ہے۔ فطرت کے تمام مظاہر خواہ مرئی ہوں یا غیر مرئی۔ جوہر کے اندر ہوں یا فضائے بسیط میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کائنات کا مادہ اور توانائی بخارات کی مانند خلا میں غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ مادہ اشعاع میں تبدیل ہو رہا ہے۔ جب علت و معلول کا سلسلہ نہ ہوگا تو وقت کی بھی کوئی سمت نہ ہوگی گویا وقت ہی نہ ہوگا۔ اس مقدار انجام سے بچنے کے لیے کوئی راستہ نہیں۔ اس لیے کہ یہ وہ تقدیر بدوش اصول ہے جسے حرکیات تپش کا دوسرا قانون کہتے ہیں۔ اور کلاسیکی طبیعات کا وہ واحد ستون ہے جسے جدید سائنس کا سیلاب تباہ نہ کر سکا۔ اور (آئن سٹائن کے مادے اور توانائی کے تفاعل کے اصول کی رو سے یہ قیاس کر لینا ممکن ہے کہ کائنات میں پھیلی ہوئی توانائی جم کر مادہ بن جائے گی۔ اور برقیوں، جواہر اور سالموں کی شکل میں نمودار ہوگی)

ممتاز سائنس دان ڈاکٹر فریڈیل وہیل نے اپنے گرد بادل نظریے (DUST CLOUD HYPOTHESIS) میں واضح کیا ہے کہ کس طرح وہ لطیف آفاقی گرد و غبار جو کواکب کے درمیانی فضا میں تیر رہا ہے اور جس کی کمیت و مقدار ہی سارے

Marfat.com

مرئی مادے کی کمیت کے برابر ہے۔ ایک کروڑ سال میں منجمد ہو کر ستارہ بن جائے گا۔

ڈاکٹر وہیل کے نظریہ کے مطابق گرد کے یہ ننھے ننھے ذرے جن کا قطر بمشکل انچ کے پچاس ہزارویں حصے کے برابر ہے۔ ستاروں کی روشنی کے خفیف دباؤ سے مل جاتے ہیں جس طرح کہ دم دار ستارے کی نہایت نرم دم۔ سورج کے نوری ذروں (فوٹون) کے دباؤ سے سورج سے پرے ہٹ جاتی ہے۔ جب ذرے باہم ملتے ہیں تو مجموعہ بنتا ہے پھر بادلچہ اور آخر میں بادل۔ اور جب بادل کی جسامت بہت بڑھ جاتی ہے یعنی جب اس کا قطر ساٹھ کھرب میل ہو جاتا ہے تو اس کی کمیت اور کثافت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ طبعی اعمال کا ایک نیا سلسلہ شروع کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

یہ جان لینا کہ ارض وسما کا ایک ایسا حصہ حقیقی وجود رکھتا ہے جہاں ہمارے فہم و ادراک کی رسائی نہیں جو عقل اعلیٰ اور حسن منور کی صورت میں اپنا اظہار کر رہا ہے لیکن ہمارے مفکر اس کا صحیح ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔

یہ علم اور یہ احساس حقیقی مذہبیت کی اساس ہے۔ ایک اور موقع پر اس نے کہا تھا۔

"مذہب کا آفاق گیر تجربہ سائنسی تحقیق و تفتیش کے حق میں سب سے قوی اور اعلیٰ محرک ہے۔"

اکثر سائنس دان جب کائنات کے اسرار، اس کی عظیم قوتوں، اس کی ابتدائی ہم آہنگی اور معقولیت کا ذکر کرتے ہیں تو خدا کا نام استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن آئن سٹائن خدا کا نام استعمال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ اس نے کہا۔

"میرا مذہب عاجزی سے اس بے پایاں بالا ہستی کی حمد و ثنا کرتا ہے جو اپنا اظہار چھوٹی چھوٹی تفاصیل یعنی کائنات کے چھوٹے بڑے مظاہر میں کرتی ہے جن کا ادراک ہم اپنے کمزور اور ناقص ذہن سے کر سکتے ہیں۔ یہ گہرا جذباتی یقین

Marfat.com

کہ بلند و بالا عاقل قوت موجود ہے۔ جو اس ناقابل فہم کائنات میں عیاں ہے۔ خدا
پر میرے ایمان کی بنیاد ہے۔"

اس علم کے دوسرے دروازے کی کلید وجدانی میدان کا نظریہ ہے۔ جو آئن سٹائن کی گزشتہ چوتھائی صدی کی تحقیقاتی کاوشوں کا ماحصل ہے۔ آج کل انسان علم کی بیرونی حدود کا تعین نظریہ اضافیت سے اور اندرونی حدود کا تعین کوانٹم ( ) نظریے سے کرتا ہے۔

کوانٹم نظریے نے جوہر، مادہ اور توانائی کی بنیادی اکائیوں اور ان مظاہر کے متعلق ہمارے تصورات قائم کیے ہیں جو گریزپا ہیں اور اتنے چھوٹے کہ نظر نہیں آ سکتے لیکن یہ دونوں عظیم سائنسی نظریے بالکل مختلف اور غیر متعلق نظری بنیادوں پر قائم ہیں۔

یوں کیسے کہ ان دونوں کی زبان مختلف ہے۔ متحدہ میدانی نظریے کا مقصد ان کے درمیان رابطہ قائم کرنا ہے۔ فطرت کی ہم آہنگی اور یکسانیت پر یقین رکھتے ہوئے آئن سٹائن نے طبعی قوانین کی ایک بنیاد کھڑی کی ہے۔ جو جوہر اور بیرونی فضا ہر دو کے مظاہر کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اگر کوانٹم طبیعات کے قوانین بھی اس کی مساواتوں سے اخذ کر لیے گئے تو مادہ کی ترکیب ابتدائی ذروں کی ساخت، اشعاع کی میکانیت، زیر جوہری عالم اور زماں و مکاں کے دوسرے معموں کے متعلق تازہ اور بڑی اہم بصیرت حاصل ہو گی۔ سائنس نے طبعی کائنات کے متعلق انسانی تصورات کو متحد کرنے کے لیے جو طویل مسافت طے کی ہے یہ نظریہ اس کی آخری منزل کی نشاندہی کرتا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ سائنس اور مذہب میں تصادم ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ سائنسی تحقیق و تجسس کا دائرہ محسوسات کی حد تک ہے اور مذہب کا دائرہ تحقیق غیبی امور سے ہے۔ سائنس کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے

Marfat.com

وہاں سے مذہب شروع ہوتا ہے اس لیے دونوں ایک دوسرے کے دائرہ تحقیق میں نہ مداخلت کرتے ہیں اور نہ ان دونوں میں تصادم ہی ہوتا ہے۔

سائنسی معلومات اور اس کے انکشافات مذہب کو سمجھنے میں ممد و معاون ہیں اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سائنس دراصل مذہب کی ترجمان ہے۔

قرآن حکیم میں متعدد جگہ علوم طبیعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات سے خالق کائنات قدرت کاملہ کا اندازہ لگائے لیکن ان علوم سے تفصیلی طور پر بحث نہیں کی گئی کیونکہ یہ قرآن کا موضوع بحث نہیں۔

جدید دور کے بیشتر علمائے نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ مذہب اور سائنس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس دور کا ایک عظیم ترین سائنس دان آئن سٹائن لکھتا ہے۔

"SCIENCE WITHOUT RELIGION
IS LAME AND REGIGION
WITHOUT SCIENCE IS BLIND"

"مذہب کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر مذہب اندھا ہے"

جان سائن اپنی کتاب (INTRODUCTION TO THE HISTORY OF SCIENCE) میں رقمطراز ہے۔

"THERE CAN BE NO CONFLICT
BETWEEN SCIENCE AND RELIGION"

"سائنس اور مذہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

آرتھر تھامسن اپنی کتاب (INTRODUCTION TO SCIENCE) میں لکھتا ہے۔

"SCIENCE AND RELIGION ARE
INCOMMENSURABLE AND THERE
IS NO TRUE ANTITHESIS BETWEEN THEM"

Marfat.com

سائنس اور مذہب کو ایک پیمانے سے ناپا تو نہیں جاسکتا لیکن ان دونوں میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں۔

آئن سٹائن اپنی ایک اور کتاب (WORLD AS I SEE IT) میں لکھتا ہے

"ACONTEMPORARY HAS SAID NOT UNJUSTLY THAT IN THIS MATERIALISTIC AGE OF OUR THE SERIOUS SCIENTIFIC WORKERS ARE THE ONLY PROFOUNDLY RELIGIOUS PEOPLE"

"ایک ہم عصر نے بالکل صحیح کہا ہے کہ ہمارے اس مادی دور میں سخت قسم کے مذہبی آدمی ہی صحیح اور سنجیدہ سائنس دان ہو سکتے ہیں"۔

قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں مناظرِ قدرت یا زمین و آسمان کی کیفیت بیان کی گئی ہے اس سے غرض تدبر و تفکر کے ذریعے معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کی تعلیم ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ

وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ
بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا
ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ
لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً
تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ
رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ۝ (سورۃ النحل: ۵ تا ۱۶)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ
مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ
لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕبَيْنِ ۚ
وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ (سورۃ ابراھیم: ۳۲، ۳۳)

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ سائنس اور مذہب میں تضاد نہیں بلکہ سائنس کے ذریعے مذہب کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بشرطیکہ بصارت کے ساتھ بصیرت بھی ہو۔

کائنات کی تخلیق کے بارے میں قرآن حکیم سے جو بصیرت اخذ کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے

Marfat.com

کہ تخلیق کے قبل ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں ان سب اجرامِ فلکی کو پیدا کیا۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں ارشاد ہوا۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔

اور وہی ہے جس نے سب آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔

پھر سورۂ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا اور پھر عرش پر قائم ہوا۔

اور سورۂ الفرقان میں اس کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

اِنِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا

وہ ایسا ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب چھ روز میں پیدا کیا۔ اور پھر تخت پر قائم ہوا۔ اور بڑا مہربان ہے تو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیے۔

اسی طرح سورۂ یونس کی آیت نمبر ۲ میں مذکور ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔

مندرجہ بالا سورتوں کے علاوہ سورۂ السجدہ اور سورۂ الحدید میں بھی یہی چیزیں مذکور ہیں

Marfat.com

قرآن حکیم کے اس بیان کی تائید عہدنامہ قدیم (OLD TESTAMENT) سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

خدا نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہرائیوں کے اوپر اندھیرا تھا۔ اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔ اور خدا نے کہا کہ روشن ہو جا اور روشنی ہو گئی۔ خدا نے روشنی کو تاریکی سے جدا کیا۔ روشنی کو دن اور تاریکی کو رات کہا۔ اور شام ہوئی اور دن ہوا سو پہلا دن ہوا۔

خدا نے کہا پانیوں کے درمیان فضا ہو تاکہ پانی سے جدا ہو جائے۔ پس خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانی کو فضا کے اوپر کے پانی سے جدا کیا اور ایسا ہی ہوا۔

خدا نے فضا کو آسمان کہا۔ شام ہوئی اور صبح ہوئی سو دوسرا دن ہوا۔

اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کا پانی ایک جگہ جمع ہو کر خشکی نظر آئے اور ایسا ہی ہوا اور خدا نے خشکی کو زمین کہا اور جو پانی جمع ہو گیا تھا اس کو سمندر کہا۔ اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے چاہا کہ زمین سے گھاس، بیج دار بوٹیوں، پھل دار درختوں کو جو اپنی جنس کے موافق پھیلیں اور جو زمین پر اپنے آپ ہی میں بیج رکھیں۔ اگائے اور ایسا ہی ہوا۔ اور شام ہوئی اور صبح ہوئی اور تیسرا دن ہوا۔

اور خدا نے چاہا افلاک ہوں۔ اور ان اجرام فلکی ہوں۔ اور دنوں اور برسوں کے اعتبار سے ہوں۔ افلاک کے اتوار کے لیے ہوں کہ زمین پر روشنی ڈالیں اور ایسا ہی ہوا۔ سو خدا نے دو بڑے نیر بنائے۔ ایک نیر اکبر کہ دن پر حکم کرے۔ اور ایک نیر اصغر کہ رات پر حکم کرے اور اس نے ستاروں کو بھی بنایا۔ جو اجالے کو اندھیرے سے جدا کریں اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے اور شام ہوئی اور صبح ہوئی سو چوتھا دن ہوا۔

اور خدا نے چاہا کہ پانی جانداروں کو کثرت سے پیدا کرے اور پرندے فضا میں اڑیں اور خدا نے بڑے بڑے دریائی جانوروں کو اور ہر قسم کے جاندار کو پانی سے بکثرت پیدا کیا

Marfat.com

ان کی جنس کے موافق اور ہر قسم کے پرندوں کو ان کی جنس کے موافق۔ ایک اور جگہ یوں ارشاد باری ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ (پ ۲۴ آیات ۹ تا ۱۲)

کہہ دو کہ تم اس ذات سے منکر ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور تم دوسروں کو اس کے برابر کرتے ہو۔ وہ تو رب العالمین ہے۔ اس نے اوپر سے پہاڑ رکھے اور اس ہی طرح کے سوال کرنے والوں کے لیے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا۔ اس نے اس کو اور زمین کو کہا۔ آؤ تم خوشی سے۔ ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پھر دو دن اس نے سات آسمان کر دیے اور ہر آسمان میں اس کے لیے حکم اتارا اور آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور واسطے محافظت کے۔ یہ ہے اندازہ عزت والے علم کا۔

قرآن حکیم نے ان آیات میں تخلیق کائنات کا راز بڑے جامع طریق پر بیان کیا ہے یعنی پہلے کائنات میں دھواں یا آتشیں گیسیں پھیلی ہوئی تھیں اور آسمان اور زمین ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے یعنی گیسی حالت میں تھے۔ اللہ نے تخلیق کائنات کا ارادہ کیا

تو آتشیں گیس سے ستارے، سیارے اور سیارچے (SATELLITE, ASTEROIDS) جدا ہونے لگے اور خلا میں اس کے انتظام میں دو عہد سے گزرے اور نظام شمسی خلا میں قائم ہوا۔ ان دو عہدوں میں زمین بھی ظہور میں آئی اور اس میں کئی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ وہ ٹھنڈی ہوئی اس میں پہاڑ نمودار ہوئے اور بارشیں برسیں۔

ان مذہبی معتقدات سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود سب سے بڑا سائنسدان ہے اور اس کی سائنس سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی سائنس ہی کا ایک کرشمہ تھی اور اسی سائنس میں سے دیے ہوئے حصے ہی کی مدد سے انسان چاند پر قدم رکھنے کے قابل ہوا ہے۔ آج سے سو سال پہلے کسے یقین تھا کہ انسان چاند کو تسخیر کرے گا لیکن آج انسان نے چاند کو تسخیر کر لیا۔ اور یوں سائنس نے قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تائید و تصدیق کر دی ہے کہ۔

عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

آسمان دنیا کو سائنس دان پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ زمین کے اوپر پانچ سے میل تک پہلا حصہ (TROPOSPHERE) کہلاتا ہے۔ اس حصہ میں جوں جوں اوپر جائیں فی ہزار فٹ ۱۰۷ سنٹی گریڈ کے حساب سے درجہ حرارت کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی وہ حصہ ہے جس میں سبھی جاندار سانس لے رہے ہیں۔ بادل بھی اسی حصے میں بنتے اور گرجتے برستے ہیں برفباری بھی ہوتی ہے اور موسموں کی تبدیلی کا باعث یہی یہی حصہ ہے۔ اس حصہ میں چلتی ہوائیں کوئی ایک لاکھ مکعب میل پانی فی سال کے حساب سے عمل تبخیر کے ذریعے بخارات کی صورت میں اٹھاتی ہیں اور بارش کی صورت میں زمین پر گرا دیتی ہیں۔

اس سے اگلے دس پندرہ میل تک (OZONE) گیس کی تہہ ہے جو سورج سے آنے والی تباہ کن ماورا بنفشی شعاعوں (ULTRA VIOLET RAYS) کو جذب کر لیتی ہے اور اس زمین پر زندگی

Marfat.com

بنا دیتی ہے۔

اس کے بعد تیسرا کرہ ((MESOSPHERE)) ہے جو نسبتاً گرم ہے کیونکہ اس میں خلاء سے آنے والے دم دار ستارے ((COMENTS)) جل کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اور ہماری زمین ان کی یورش سے محفوظ رہتی ہے۔ یہ زمین سے ۵۰ میل اوپر تک ہے۔

اس کے بعد ((SONOSPHERE)) کرہ ہے جو ۳۵۰ سے ۴۰۰ میل تک ہے یہ وہ کرہ ہے جو ((SHORT WAVES)) کو منعکس کرتا ہے اور یوں ریڈیو اور دیگر لاسلکی وائرلیس پیغامات کا وصول کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد ((EXOSPHERE)) کرہ ہے جو غالباً چار ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے اس کرے کے اندر ایک حصہ ((MEGNETOSPHERE)) ہے جو حال ہی میں دریافت ہوا ہے، یہ وہ حصہ ہے جو خلاء سے آنے والے جوہری ذرات

) سے زمین کو محفوظ رکھتا ہے جن میں مثبت برقیے اور مرکزے وغیرہ ہوتے ہیں۔ ان پانچ حصوں کے بعد خلاء ہے جس کا رنگ سیاہ ہے اور درجہ حرارت بہت کم ہے۔ سائنس کی بدولت آج انسان اس منزل پر پہنچ چکا ہے کہ اُس نے زماں و مکاں کی تسخیر کے معمے کو کافی حد تک حل کر لیا ہے۔

آئن سٹائن کے معروف نظریے اضافیت ((THEORY OF RELAVITY)) کے ۲ حصے ہیں۔ پہلا حصہ خاص نظریہ اضافیت ۱۹۰۵ء میں پیش کیا گیا اور عام نظریہ اضافت ۱۹۱۶ء میں تشکیل پایا۔ خاص نظریہ اضافت ان چیزوں کے متعلق بحث کرتا ہے جو یکساں رفتار سے چل رہی ہوں یا پھر ساکن ہوں۔ اس نظریہ کی رو سے ایتھر ( ) کا پتہ چلانا ناممکن ہے اور وہ اس لیے کہ تمام حرکات اضافی ہوتی ہیں۔ چنانچہ زمین پر سبھی اجسام کی رفتار زمین کی نسبت سے متعین کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے زمین کو ساکن تصور کیا جاتا ہے

اجرام فلکی میں کوئی بھی ایسا فرد نہیں جو صحیح معنوں میں ساکن ہو۔ کیونکہ تمام کائنات اور اس میں موجود سبھی چیزیں حرکت کناں ہیں۔ اس لئے صرف اضافی رفتاروں کا ہی تعین ہو سکتا ہے۔ چونکہ ایتھر کائنات سے الگ کوئی چیز نہیں اس لیے اس کا پتہ چلانا ممکن ہے۔

روشنی کی رفتار ہر حالت میں یکساں رہتی ہے۔ اس نظریے کو مزید آگے بڑھانے سے آئن سٹائن اس نتیجہ پر پہنچا کہ متحرک جسم کی لمبائی اس کی حرکت کی سمت میں کم ہو جاتی ہے چنانچہ اگر ایک جسم ۲۰ فٹ لمبا دوسرے کی نسبت سے ۶۳ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اس کی جانب اس سے مخالف سمت میں حرکت کر رہا ہو تو وہ صرف ۱۶ فٹ نظر آئے گا اگر رفتار ایک لاکھ ۶۱ ہزار میل فی سیکنڈ ہو تو وہ صرف ۰ فٹ نظر آئے گا۔

متحرک اجسام کا مادہ مقدار میں بڑھ جاتا ہے اور یہ زیادتی ان اجسام کی اضافی رفتار پر منحصر ہوتی ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا مثال میں ۲۰ فٹ لمبے جسم کا وزن اگر ایک ہزار پونڈ تصور کیا جائے اور جب وہ ۹۳ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت کرے گا تو اس میں مادہ کی مقدار ۲ ہزار پونڈ ہو جائے گی اور اگر یہ رفتار ۱۶ لاکھ ۱ ہزار میل فی سیکنڈ ہو تو یہ دو ہزار پونڈ ہو گی۔ متحرک اجسام اگر مخالف سمت میں حرکت کریں تو ان کی اضافی رفتار ان کی اصل رفتاروں کے مجموعہ کے برابر ہو گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر دو اجسام ایک دوسرے کی طرف ۱۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے متحرک ہوں تو ان کی اضافی رفتار ۲۰۰ میل فی گھنٹہ ہو گی۔ نظریہ اضافیت کی رو سے اگر وہ ایک لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے متحرک ہوں تو ان کی اضافی رفتار ۲ لاکھ میل بلکہ اس سے بہت کم یعنی ۱۵ لاکھ ۵۵ ہزار میل ہو گی۔

رفتار کی آخری حد ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ اور کسی بھی چیز کی رفتار اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ جب کہ وقت کی حیثیت بھی اضافی ہے۔ چنانچہ متحرک جسم کے لیے وقت کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ جو جسم ۹۳۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے متحرک ہے اس پر وقت ۹/۱۰ کی نسبت سے کم ہو گا۔ یعنی اگر دو اجسام پر گھڑیاں موجود ہوں اور چلنے سے پہلے ۱۲ بجے کا وقت بتا رہے ہوں تو ساکن جسم پر ایک بجے کا وقت ہو گا۔

وقت کے متعلق یہ نظریہ یقیناً انقلابی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وقت کی رفتار سب کے لیے ایک ہی ہے۔ مگر آئن سٹائن نے یہ نظریہ پیش کیا کہ وقت کی رفتار بھی حرکت پر منحصر ہے۔ مزید برآں خلاء میں دو مختلف جگہوں پر وقت بھی مختلف ہوگا۔ اس لیے ان کے درمیانی فاصلے کا تعین کرنے کے لیے وقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ وقت ایک چوتھے بعد (FOURTH HOIMENTION) کی حیثیت رکھتا ہے۔ متحرک جسم پر نہ صرف گھڑی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے بلکہ وقت پر منحصر سبھی عمل مثلاً ہاضمے کا عمل، پیدائش کا عمل، جوہری عمل وغیرہ بھی سست پڑ جائیں گے۔

چنانچہ اگر ایک آدمی راکٹ کی مدد سے اندازاً روشنی کی رفتار سے سفر کرتا ہوا کسی ایسے ستارے پر پہنچے جو ۳۳ نوری سال ہم سے دور ہو اور پھر اسی رفتار سے واپس زمین پر آئے تو زمین والوں کے لیے تو ۶۶ سال بعد اسے دیکھنا نصیب ہوگا مگر ایسا لگے گا کہ وہ صرف ایک آدھ دن ہی میں واپس آگیا ہے۔ کیونکہ اتنے عرصے میں اس کے لیے وقت کی رفتار بہت کم ہو جائے گی۔ اور بھوک اور پیاس کا احساس بھی۔ اور اگر جانے سے پہلے اس کا کوئی چھوٹا بچہ ہوگا تو واپسی پر وہ اپنے بیٹے کو کہیں زیادہ عمر کا پائے گا۔

ان ہی دلائل کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ زمین اس راکٹ کی نسبت سے روشنی کی رفتار سے متحرک ہے۔ اس لیے راکٹ کی نسبت یہاں پر وقت کی رفتار سست ہوگی اور راکٹ کے ۶۶ سال زمین پر ایک آدھ دن کے مترادف ہوں گے۔ یہ باتیں معراج کے حقائق کی یاد دہانی کراتی ہیں۔ جب رسول مقبول معراج شریف سے واپس تشریف لائے تو آپ کا بستر مبارک بدستور گرم تھا۔ دروازے کی کنڈی بدستور ہل رہی تھی۔ اور جس پانی سے آپ نے وضو کیا تھا ابھی سوکھا نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کے دو ارشادات یعنی "کن فیکون" اور "انی جاعل فی الارض خلیفہ" کائنات کے دو اہم واقعات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کن فیکون سے مراد ہے کہ چٹکی بھر میں ہی اللہ کے ارادے کی تکمیل ہو گئی۔ چونکہ وہ خود ذاتِ قدیم ہے اس لیے اس کے واسطے وقت لامحدود ہوتے

Marfat.com

ہوئے بھی نہایت ہی محدود ہے۔ اور وقت چاہے کتنا ہی گزر جائے اس کے لیے ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اُس کا ایک دن ضروری نہیں کہ ہمارے چوبیس گھنٹے کے دن کے برابر ہو بلکہ یہ ہمارے ہزار یا اس سے زیادہ سالوں کے برابر بھی ہو سکتا ہے اور ایک پل کے ہزارویں حصے سے بھی کم۔ زماں و مکاں کا مسئلہ ہمارے لیے ہے اُس کے لیے نہیں اس بیکراں کائنات اور اس سے ماورا اس سے زیادہ بیکراں کائناتوں اور ان لامحدود نہ جانے کہاں سے کہاں تک پھیلی ہوئی وسعتوں اور بے پایاں پنہائیوں کو محض کن فیکون سے پیدا کرنے والے خالقِ عظیم و بے عدیل کے نزدیک اپنے محبوب کو مکاں سے لامکاں کی سیاحت کرا کے واپس بھیج دینا کوئی مسئلہ و مشکل نہ تھی۔ جب چاہا اپنے پاس بلا لیا۔ جب چاہا واپس بھیج دیا۔

کن فیکون کے اس محیر العقول بھید کو سائنس نہیں پا سکتی البتہ جوں جوں یہ اور ترقی کرتی جائے گی معراج رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے درخشندہ حقائق و معارف کی تائید و تصدیق کرتی جائے گی۔

سائنس کی جدید ترین ایجاد ریڈیو اور ٹیلی وژن ہی کو لیجیے۔ ایک پروگرام لاہور کے ریڈیو سٹیشن سے نشر کیا جا رہا ہے۔ اب کوئی اگر اسے سننا چاہے تو اس دنیا کے انتہائی کنارے و کونے میں بیٹھا ہوا اسی لمحہ سن سکتا ہے زماں و مکاں کے بعید ترین فاصلے اور رکاوٹیں راستے میں حائل نہ ہو سکیں گی۔

ایسی ہی دوسری مثال ٹیلی وژن کی ہے۔ ٹیلی وژن سٹیشن سے جو کچھ ٹیلی کاسٹ کیا جاتا ہے اسی لمحے دور دور تک دیکھا جا سکتا ہے۔ بہتا ہوا وقت اسی مکانی رکاوٹوں کے بغیر اسے دور دور تک لے جاتا ہے۔

یہ ایجادات سائنس کا کرشمہ ہیں اور معراج رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قدرت و ندرت، جس سے نہ صرف مسلمان بالکل ہر ذی فہم انسان انکار نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

معراج اور سائنس

آغا اشرف

Marfat.com